ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

۷ رجب ۱۴۳۰ھ --- جولائی ۲۰۰۹ء

بیاد

امیر المؤمنین، امام المتقین، خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

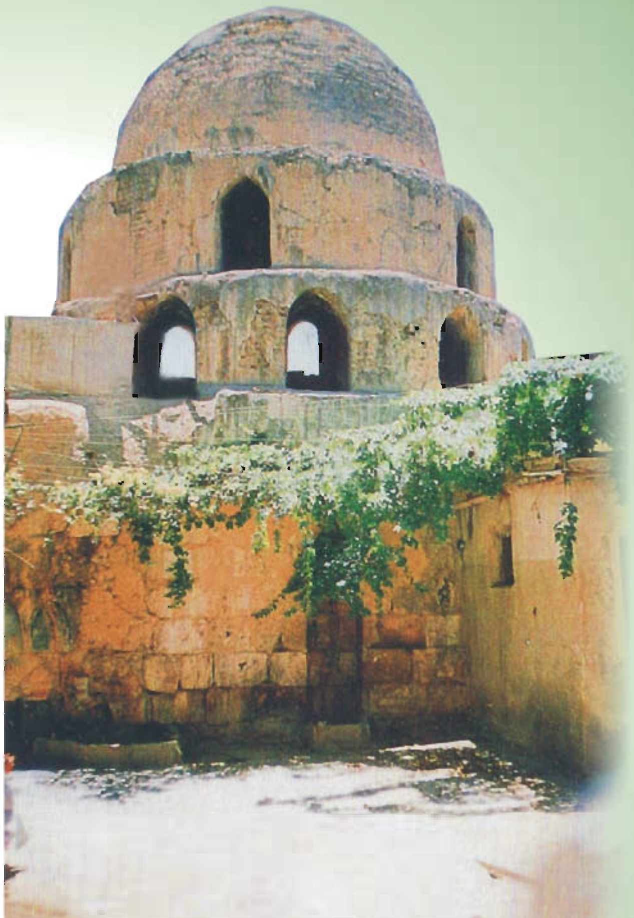

- برطانیہ میں اجتماعات ختم نبوت
- سید یونس الحسنی بخاری کی رحلت
- مغربی افریقہ میں مرزائیوں کی سرگرمیاں
- یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
- کونڈے، عید بابا شجاع اور عیدِ غدیر
- ملتان کا جغرافیہ

نورِ ہدایت

القرآن

"اور جو اللہ کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کیے ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

(البقرہ:۲۷)

الحدیث

"حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان، مسلمان سب بھائی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کر سکتا، نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہو سکتا ہے، نہ اس کی تحقیر کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا (کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لیے دل کا حال بھی دیکھنا چاہیے) برائی کے لیے بس اتنی بات ہی بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے (یاد رکھو) ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے۔ اس کی جان بھی، اس کا مال بھی، اس کی آبرو بھی۔" ("ترجمان السنۃ"، ج ۲، ص ۲۶۹)

الآثار

خطیبانِ عصر کے نام

مقرر کے لیے خوش گفتار اور خوش خلق ہونا لازم ہے۔ قرآن مجید کی دعوت سراسر خوش خلقی پر مبنی ہے۔ ایک شخص مبلغ بھی ہو اور بد خلق بھی تو وہ نہ صرف اپنے علم اور دعوت کا دشمن ہے بلکہ لوگوں میں بُرے اثرات پیدا کرتا ہے۔ انسان کے بہت سے روگ اس کی زبان سے پیدا ہوتے ہیں، جس انسان کی زبان قابو میں نہیں وہ اپنا دشمن ساتھ رکھتا ہے اگر تم مخلوق خدا کے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو تو اپنے اندر خوش خلقی کی صفات پیدا کرو۔ خوش گفتاری اگر گفتگو یا تقریر کا جوہر ہے تو خوش خلقی انسان کا زیور۔ خطابت انبیاء کی میراث ہے، ہر نبی بنیادی طور پر خطیب ہوتا ہے، مصنف نہیں۔ انبیاء کرام نے خطابت کے ذریعے ہی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون سے ہم کلامی کے لیے نصیحت فرمائی: وقولا له قولا لينا لعله يتذكرا ويخشى کہ آپ دونوں فرعون سے نرم و گداز گفتگو فرمائیں، ہو سکتا ہے، وہ نصیحت حاصل کرے اور قرآن کریم نے حسن مخاطبت کی تذکیر عام یوں فرمائی۔ وقولوا للناس حسنا "لوگوں سے اچھے انداز میں گفتگو کرو" (بات وہ کرو جو حسن بکھیرے)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

("بخاری کے زمزمے" مرتب: سید عطاء المحسن بخاریؒ، ص ۷، ۸)

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

بنیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 20 شمارہ 7 رجب 1430ھ / جولائی 2009ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

تشکیل

دل کی بات:	نکمّے حکمران، مصنوعی جنگ، غریب پاکستان	مدیر	2
شذرہ:	سید یونس الحسنی بخاری کی رحلت	سید محمد کفیل بخاری	4
شاعری:	نعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	سید یونس الحسنی مرحوم	6
//	اپنی اپنی سوچتا ہے	ذوالکفل بخاری	7
//	سید یونس الحسنی کے انتقال پر	پروفیسر خالد شبیر احمد	8
//	ہر ایک فرد قوم کا ہو اِن کا غم گسار	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	9
دین و دانش:	سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما	ابو معاویہ رحمانی	10
تحقیق:	کونڈے، عید بابا شجاع اور عید غدیر	مولانا محمد نافع مدظلہ	16
افکار:	یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے	جاوید اختر بھٹی	18
//	آج ہم کہاں کھڑے ہیں، کیوں کھڑے ہیں؟	عبدالرشید ارشد	21
شخصیات:	مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (آخری قسط)	پروفیسر خالد شبیر احمد	26
//	مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ	پروفیسر اشفاق حسین منیر	30
//	شیخ راحیل احمد کے آخری قیمتی لمحات	سہیل باوا	34
//	حکیم حافظ عبدالرشید چیمہ رحمۃ اللہ علیہ	شیخ تنویر احمد	39
نقطۂ نظر:	برطانیہ میں اجتماعاتِ ختمِ نبوت......	ڈاکٹر سعید عنایت اللہ	43
ردِّ قادیانیت:	مغربی افریقہ میں مرزائیوں کی تبلیغی سرگرمیاں	محمد کاشف	46
//	"موجِ کوثر" اور قادیانیت نوازی	افتخار ساجد	49
طنز و مزاح:	ملتان کا جغرافیہ	محمد الیاس میراں پوری	52
//	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	56
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	جاوید اختر بھٹی	57
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	59
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	64

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

آرٹ ایڈیٹر
محمد الیاس میراں پوری

ilyasmiranpuri@gmail.com
0300-632 1388

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

زرِ تعاون سالانہ
اندرونِ ملک ——— -/200 روپے
بیرونِ ملک ——— -/1500 روپے
فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل چوک مہربان ملتان

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

www.mahrar.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات　　مدیر

پُتلی حکمران، مصنوعی جنگ، غریب پاکستان

سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے ملک کو امریکہ کی طویل غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کا تنہا فیصلہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ملک بھی تنہا ہو گیا۔ غلاموں کا ساتھ کون دیتا ہے؟ کوئی ساتھ ہو بھی جائے تو کہاں تک چلتا ہے؟ آخر ساتھ چھوٹ جاتا ہے۔ یہی حال وطن عزیز پاکستان کا ہوا ہے۔ صدرِ مملکت کشکول ہاتھ میں لیے ملکوں ملکوں گھومے پھرے۔ ''دے جا سخیا راہِ خدا'' کی صدا لگائی، ''سخیوں'' نے وعدوں پر ٹرخا دیا۔ فرینڈز آف پاکستان کے دروازوں پر دستک دی۔ ۵/ارب ۲۸ کروڑ کی امداد کے وعدے ہوئے مگر ابھی تک پورے نہیں ہوئے۔ مسلم ممالک سے بھیک مانگی تو وہ بھی آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔

ملکی معیشت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے تو امن امان کی صورت حال حکومت کی گرفت سے باہر ہو رہی ہے۔ امریکہ عراق میں شکست سے دوچار ہوا تو افغانستان میں جنگ جیتنے کے جتن کرنے لگا۔ افغانیوں نے دانت کھٹے کیے تو پاکستان پر جنگ مسلط کر دی۔ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کا میدان پاکستان میں سجا دیا۔ پہلے ڈومہ ڈولا اور دیگر قبائلی علاقوں پر صرف امریکی طیارے بمباری کرتے تھے، اب امریکی اور پاکستانی دونوں مل کر بمباری کر رہے ہیں۔ چند برس قبل وزیرستان کے دینی مدرسہ پر رمضان المبارک میں سحر کے وقت امریکی طیاروں نے بمباری کر کے روزہ دار علماء اور معصوم طلباء کو شہید کیا تھا۔ اب کوہاٹ میں مولانا محمد امین کے مدرسہ پر پاکستانی طیاروں نے بم برسا کر مولانا، اُن کے خاندان، اساتذہ اور طلباء کو شہید کر دیا۔ مولانا محمد امین علاقہ بھر کے عوام کی ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ دہشت گردی کی کسی سرگرمی میں کبھی ملوث رہے اور نہ اب ملوث تھے۔ انھیں دین پڑھانے اور طلباء کو دین پڑھنے کی سزا دی گئی۔ گزشتہ دس گیارہ برسوں میں چُن چُن کر علماء کو قتل کیا گیا۔ مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مولانا حبیب اللہ مختار رحمہم اللہ...... یہ تو چند نام ہیں۔ درجنوں علماء کو اسی طرح راستے سے ہٹا دیا گیا۔ حال ہی میں جامعہ نعیمیہ لاہور کے مدیر ڈاکٹر سرفراز نعیمی کو شہید کر کے ظلم و سفاکی کا نشانہ بننے والے علماء کی فہرست میں مزید اضافہ کیا گیا۔ یہ اب راز نہیں رہا کہ آگ اور خون کا یہ خوفناک کھیل کون کھیل رہا ہے؟ حکمران بھی جانتے ہیں اور سیاست دان بھی۔ پاکستانی سیاست کو، ٹو پارٹی سسٹم کے خانے میں بند کر دیا گیا ہے اور قوم کو ایک سسٹم سے نکال کر کئی خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ رہ گئی دینی قوتیں، تو علماء کو ایک ایک کر کے راستے سے ہٹایا جا رہا ہے۔ ملک کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی (خاکم بدہن) استعماری منصوبہ بندی اور سازش پروان چڑھائی جا رہی ہے۔ گزشتہ باسٹھ برسوں میں سیاسی اتحاد بنتے اور ٹوٹتے رہے حتیٰ کہ ملک ٹوٹ گیا اور مشرقی

پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ متحدہ مجلس عمل کے نامِ خوش نام سے دینی قوتوں کا اتحاد بنا۔ ہمیشہ متحد رہنے کے بلند بانگ دعوے کیے مگر......اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ہر موقع اور ہر مقام پر قوم کے اعتماد کو پامال کیا گیا۔ قوم ذہنی انتشار کا شکار ہے کہ ......اب کسے رہنما کرے کوئی

امریکی صدر اوباما کہتے ہیں کہ ''پاکستان اور بھارت مذاکرات سے کشیدگی ختم کریں، امریکہ مسئلہ کشمیر میں ثالثی نہیں کرسکتا'' لیکن افغانستان اور پاکستان میں بمباری کر کے مسائل اور کشیدگی کو ختم کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ یہی دوہرا معیار امریکہ کی مسلم کش پالیسیوں اور مقاصد کا غماز ہے۔

وطن عزیز کو تباہی کے راستے پر لا کھڑا کرنے میں استعماری قوتیں تو اپنے ایجنڈے کی تکمیل میں مصروف ہیں ہی لیکن ہمارے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے بھی ہوسِ اقتدار کے نشے میں بدمست ہوکر ملک کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ پرویز مشرف کی جن پالیسیوں کو غلط کہہ کر اس کی مخالفت کی اور استعماری قوتوں سے ساز باز کر کے سازش کے ذریعے اقتدار پر براجمان ہوئے، اب انہی پالیسیوں کو اختیار کرلیا۔ بلکہ موجودہ حکمران پرویز مشرف سے زیادہ امریکہ کے غلامِ بے دام بنے ہوئے ہیں۔

معیشت واقتصاد تباہ ہو چکی ہے۔ انڈسٹری برباد ہوگئی ہے۔ کسان کی چیخیں نکل رہی ہیں۔ غریب کش بجٹ نے غریب عوام کی کمر توڑ دی ہے۔ مہنگائی کا جن بوتل سے باہر نکل کر ناچ رہا ہے۔ بجلی، گیس، پٹرول کا استعمال عوام کے بس سے باہر ہو رہا ہے۔ لٹیروں کے بجٹ نے عوام کا جینا محال کردیا ہے۔ حکمرانوں کے بس میں ہو تو سانس لینے پر بھی ٹیکس عائد کردیں۔ فرقہ وارانہ، لسانی اور صوبائی عصبیتوں کی آگ بھڑکائی جارہی ہے۔ عام شہری کی زندگی غیر محفوظ ہوگئی ہے۔ اقتدار پر استعمار کے پٹھو حکمران مسلط ہیں۔ ملک پر دہشت گردی کے خلاف مصنوعی جنگ کے منحوس سائے چھائے ہوئے ہیں اور غریب پاکستان، امریکی مفادات کی جنگ میں تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ وطن عزیز کو کسی بدمعاش کی نظرِ بد لگ گئی ہے۔ غیر ملکی دوروں میں اپنی عیاشیوں پر اربوں روپے جلانے والے حکمران ''تختِ شاہی'' پر جلوہ افروز ہیں اور اُن کے پاؤں غریب عوام کی گردنوں پر ہیں، عوام سسکیاں لے رہے ہیں۔ سوات، مالاکنڈ، جنوبی وشمالی وزیرستان اور دیر کے پاکستانی شہری اپنے ہی وطن میں بے وطن اور بے گھر ہوگئے ہیں۔ زمین پر بسنے والوں کو آپس میں لڑایا جارہا ہے اور فضا سے اُن پر بم برسائے جارہے ہیں۔

بے رحم حکمرانو! سفاک سیاست دانو! ملک بچالو۔ قوم نے بڑی قربانی دے کر اسے بنایا تھا۔ یہ ملک ہے تو ہم تم ہیں، یہ ملک نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ پھر وہی غلامی کی طویل اور سیہ رات اور پھر......

تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

سید یونس الحسنی بخاری کی رحلت

سید محمد کفیل بخاری

ممتاز شاعر، ادیب، کالم نگار اور خاندانِ امیر شریعت کے فرد ِفرید سید محمد یونس الحسنی البخاری ۴/ جون ۲۰۰۹ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سید یونس الحسنی ۱۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے اور حیاتِ مستعار کا سفر ساٹھ برس میں مکمل کر کے راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ وہ چند برسوں سے یرقان کے مرض میں مبتلا تھے، لیکن چند ماہ قبل مرض شدت اختیار کر گیا۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوا، بالآخر سفر زندگی اختتام پذیر ہو گیا۔ ۵/ جون کو اپنے آبائی گاؤں ناگڑیاں (ضلع گجرات) کے جدّی قبرستان میں والدین کے قدموں میں آسودۂ خاک ہوئے۔ انھوں نے پسماندگان میں بیوہ، ایک بیٹا محمد عمر اور دو بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

سید یونس الحسنی کے والد ماجد سید عبدالحمید بخاری رحمۃ اللہ علیہ میری والدہ ماجدہ مدظلہا اور حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے اکلوتے حقیقی ماموں تھے۔ اس طرح سید یونس الحسنی حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے اور ابن امیر شریعت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے حقیقی ماموں زاد تھے۔ انھوں نے زندگی کا زیادہ حصہ گجرات میں گزارا۔ دینی و علمی ماحول گھر میں ملا۔ گارڈن کالج راولپنڈی سے بی اے تک تعلیمی سفر مکمل کیا۔ ۱۹۶۵ء میں والد ماجد کا انتقال ہوا تو وہ زیر تعلیم تھے۔ گجرات کے ایک سکول میں بحیثیت مدرس عملی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ پنجاب ٹیچرز یونین کے سیکرٹری جنرل بھی رہے۔ قیام پاکستان سے قبل اُن کے والد ماجد سید عبدالحمید بخاری رحمۃ اللہ علیہ امرتسر سے ماہنامہ ''الارشاد'' نکالا کرتے تھے۔ نہایت علمی و تحقیقی مجلّہ تھا۔ یقیناً اس کے مطالعہ نے اُن کے علمی و ادبی ذوق کو جلا بخشی۔ زمانہ طالب علمی میں ہی شعر کہنے لگے اور گجرات کی ادبی تنظیم ''قلم قبیلہ'' سے وابستہ ہو گئے۔ ادبی اجلاسوں میں شریک ہوتے اور اپنی شعری و نثری کاوشیں پیش کرتے۔ گجرات کے معروف شاعر مختار احمد کاشف اُن کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر تھوڑے ہی عرصے میں ایک پختہ شاعر اور منجھے ہوئے نثر نگار کے طور پر پہچانے جانے لگے۔ انھوں نے حمد، نعت، منقبت، سلام، نظم اور غزل میں طبع آزمائی کی۔ لیکن نعت و نظم میں اُن کی فنی صلاحیتیں اور جذبات زیادہ اجاگر ہوئے۔ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اُن کے ایمان کا نور تھا، جس سے اُن کا قلب تادمِ آخر منور رہا۔

سید یونس الحسنی زمانۂ طالب علمی سے ایک بہترین مقرر بھی تھے۔ خطابت اُن کو ورثہ میں ملی تھی۔ ۱۹۷۰ء میں وہ تحریک طلباء اسلام سے وابستہ تھے اور تحریک کے اجتماعات میں اپنی تقریروں سے طلباء کے دلوں کو گرماتے، ذہنوں کو اُجالتے اور جذبوں کو اُبھارتے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت برپا ہوئی تو انھوں نے گجرات میں اپنے (پھوپھی زاد) بھائی حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور فعال کردار ادا کیا۔ وہ گرفتار بھی ہوئے اور جواں مردی سے قید کاٹی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت میں وہ گجرات کے جلسوں کی رونق ہوا کرتے تھے۔

شاعری وصحافت میں، عظیم شاعر وصحافی آغا شورش کاشمیریؒ کے شاگرد تھے۔ ۱۹۷۵ء میں اُن کی والدہ ماجدہؒ کے شدید اصرار اور خواہش پر مولانا سید عطاء المحسن بخاریؒ انھیں آغا شورش کاشمیریؒ کے پاس دفتر ''چٹان'' لاہور چھوڑ آئے۔ انھوں نے تقریباً ایک سال شورش مرحوم کی تربیت میں گزارا۔ شورش کا انتقال ہوا تو وہ لاہور چھوڑ کر گجرات واپس آگئے۔ شورش مرحوم کی شاگردی پر وہ ہمیشہ بہت فخر کرتے تھے۔ اس زمانے میں شورش مرحوم سے وابستہ واقعات کے شاہد اور حسین یادوں کے امین تھے۔ انھوں نے ہفت روزہ ''چٹان'' میں لکھنا شروع کیا۔ نظم ونثر میں شورش سے اصلاح لی۔ جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے علم وخطابت سے بہت متاثر تھے۔ شاعری میں اُن سے بھی اصلاح لیا کرتے۔ حضرت ابوذر بخاریؒ کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ''الاحرار'' لاہور میں بھی اُن کی قلمی کاوشیں شائع ہوتی رہیں۔ ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، ماہنامہ ''الاحرار'' لاہور اور ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' میں اُن کی شاعری اور مضامین شائع ہوتے رہے۔ ہفت روزہ ''ضربِ مؤمن'' اور روزنامہ ''اسلام'' میں کئی برس مستقل کالم لکھے۔ قومی اخبارات میں بھی اُن کے مضامین، کالم اور تجزیے شائع ہوتے رہے۔ وہ ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' کے مستقل رفیقِ فکر تھے۔ ازاوّل تا آخر مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۷ء تک دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں مستقل خدمات انجام دیں۔ بعد میں اپنی علالت کی وجہ سے جز وقتی خدمات انجام دیتے رہے۔ دفتر احرار لاہور میں قائدِ احرار ابن امیر شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے ماہانہ درسِ قرآن ومجلس ذکر میں اہتمام کے ساتھ باقاعدہ شریک ہوتے۔ وہ مجلس احرار اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ احرار سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ شدید علالت کے آخری تین چار مہینوں میں بھی انھوں نے ''نقیبِ ختم نبوت'' کے لیے مضامین تحریر فرمائے۔ اُن کی شاعری اور مضامین کے مجموعے زیرِ طبع ہیں۔

سید یونس الحسنی البخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی ظاہری وباطنی کیفیتوں کے اعتبار سے ایک خوبصورت انسان تھے۔ اُن کی زبان سے ہم نے کبھی بُرا لفظ نہیں سنا۔ دوستوں کے مخلص اور سچے دوست تھے۔ دفتر احرار میں وہ احباب کا جس طرح پرتپاک استقبال کرتے اور جس محبت وخلوص سے پیش آتے، جس طرح گھل مل جاتے، جس طرح شفقت وپیار کرتے، اسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ حقیقتاً وہ رونقِ مجلس احرار تھے۔ دفتر میں ہر چھوٹے بڑے کی آنکھ پُرنم ہے۔ شاہ جی کی یاد میں ہم سب اُداس ہیں۔

ویراں ہے مَے کدہ ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

۵/جون کو بعد نمازِ فجر لاہور میں اُن کی نمازِ جنازہ میں مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں ملک محمد یوسف اور قاری محمد یوسف احرار نے ایک وفد کے ساتھ شرکت کی جبکہ میاں محمد اویس ناگڑیاں میں دوسری نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔ جناب پروفیسر خالد شبیر احمد اور جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے مجلس احرار اسلام کی طرف سے مرحوم کے بیٹے سید عمر یونس سے اظہارِ تعزیت کیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ کی قبر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آپ کی اولاد کی حفاظت فرمائے اور آپ کے بیٹے محمد عمر یونس کو آپ کا جانشین بنائے۔ (آمین) مجلس احرارِ اسلام کی تمام قیادت، کارکنان، ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' کا عملۂ ادارت اور خاندانِ امیر شریعت کے تمام افراد اُن کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں اور بجائے خود تعزیت کے مستحق ہیں۔

نعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

سید یونس الحسنی مرحوم*

نبی کی نعت مری زیست کا سہارا ہے
نبی کا نام مجھے دو جہاں سے پیارا ہے

اگرچہ دور ہوں پھر بھی یقین ہے کامل
کہ ان پہ سارا مرا حال آشکارا ہے

انھی کے دم سے ہے مری زندگی کی چھل پہل
انھی کے اسمِ معظم نے دل سنوارا ہے

کبھی جو ہستی کی ناؤ اسیرِ موج ہوئی
درودِ پاک نے ساحل پہ لا اُتارا ہے

کسی کو دولتِ دنیا کسی کو جاگیریں
مجھے تو عشقِ نبی پاک کا سہارا ہے

کوئی مقام ہو یونسؔ یا ابتلا کی گھڑی
بنامِ ختم نبوت انھیں پکارا ہے

O

[اکتوبر ۱۹۸۸ء]

*انتقال: ۴؍ جون ۲۰۰۹ء

اپنی اپنی سوجھتا ہے

ذوالکفل بخاری*

کون، کیسے، کیوں، کہاں پر؟
کب سے کب تک اور کہاں تک؟
پوچھ سکتا ہے جہاں تک......
پوچھ لے!
کون پوچھے، کس سے پوچھے اور پھر بتلائے کون؟
کوئی کہہ بھی دے کسی سے، سن نہ پائے کوئی تو؟
ان کہی سے ان سنی تک......کیا کسی کا اعتبار؟
بوجھ لینے، جان لینے پر ہے کس کا اختیار؟
ہست وبود اِک اور شے ہے، نیست ونابود اور؟
ہوتے رہنا اور شے ہے، اور نہ ہونا کوئی اور؟
ہونیوں کے ہوتے رہنے، پھر نہ ہونے کا سبب؟
اور پھر ان ہونیوں کے ہوتے رہنے کا سبب؟
ان سمجھ، ان بوجھ، انجانے میں جس کو جان لیں
اپنی اپنی سوجھتا سے جس کو جیسا مان لیں
اور جب ان بھول بھی باہم دگر پہچان لیں
ان کہی سے ان سنی تک، ان پڑھوں کی مان لیں
جس کا جتنا ظرف ہو، اتنا اگر وہ بول دے
رازِ دانایاں اگر، نادان بن کر کھول دے
......اور جہاں تک کھول دے
پوچھ سکتا ہے وہاں تک......
پوچھ لے!

* استاذ شعبہ انگریزی، اُم القریٰ یونی ورسٹی، مکہ مکرمہ

سید یونس الحسنی کے انتقال پُر ملال پر

پروفیسر خالد شبیر احمد

شاعر تھا وہ ادیب تھا کالم نگار تھا   تھا سب کو اُس سے پیار اُسے سب سے پیار تھا
حق گو تھا ، حق شناس تھا ، وہ حق نواز تھا   اُس کی زباں پہ صدق تو دل پُر گداز تھا
ڈوبی ہوئی مٹھاس میں تھی اُس کی گفتگو   اسلاف کے وقار کی تصویر ہو بہو
آنکھوں میں تھی لحاظ و مروّت کی روشنی   کردار میں تھی اُس کے تقدس کی چاندنی
اُس کے سبھی حروف تھے دُر ہائے تابدار   اُس کے قلم نے بخشا تھا تحریر کو وقار
اُس کے خلوص و شوق کا سارا جہاں گواہ   لیتے ہی جس کا نام نکلتی ہے دل سے آہ
اُس جیسا پاک باز ہے اب دہر میں کہاں   غم جس کا بن گیا ہے مرے دل کا ترجماں
شعر و سخن میں یکتا تھا وہ لاجواب تھا   اوصاف کے حوالے سے وہ آفتاب تھا
وہ پیکرِ کمال تھا وہ پیکرِ یقیں   اُس جیسا مل سکے گا نہ اب دوسرا کہیں
اُس کے رُخِ حسین پہ تھا چاند کا گماں   تھی زیست اُس کی ، درد کی بے مثل داستاں
ہر اک ادا پہ اُس کی زمانہ نثار تھا   اُس شخص میں تھا عجز فقط انکسار تھا
دیتا تھا جان ختم نبوت پہ بالیقیں   احرار کی وہ شان تھا کردار کا نگیں
شورش کی صحبتوں سے یقیناً تھا بہرہ مند   شعر و سخن کی دنیا کا فرزندِ ارجمند
ختم الرسل سے اُس کو عقیدت تھی بے پناہ   نعتوں کا ارمغان ہے اس بات کا گواہ
وہ شہپرِ شعور تھا وہ شوکتِ جنوں   اُس کی غزل کے رنگ میں اپنا تھا اک فسوں
اُس کے کلام میں تھی عجب چاندنی گھلی   اُس کی ہر اک بات تھی اخلاص میں پلی
وابستہ اُس کے نام سے تھیں عظمتیں بہت   شاہ جیؒ کے بیٹوں سے تھیں اُسے نسبتیں بہت

خالؔد کسی جماعت کی طرح وہ فرد تھا
''حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''

ہر ایک فردِ قوم کا ہو اِن کا غم گسار

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

کاغان، مانسہرہ، بالاکوٹ کا جوان
یہ روحِ ارضِ پاک تو ہے اُس کی آن بان
کی میں نے اِن مناظرِ قدرت کی خود بھی سیر
مالاکنڈ، سوات کی اِن وادیوں کی خیر
لاشوں کی بُو پہ روز یاں آتا ہے ایک غول
گیدڑ، شغال رکھتے ہیں اس جا سے میل جول
ہر لمحہ انڈیا سے ہے دہشت گروں کا میل
بارود ، خون ، گولیاں اور آگ جن کا کھیل
ظلم و ستم، زیادتی کروا رہے ہیں یہ
اپنوں کو اپنے ہاتھ سے مروا رہے ہیں یہ
تہذیب سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں
جس کے بغیر زندگی آراستہ نہیں
بچے ، ضعیف ، عورتیں گھر میں ہیں دربدر
رہبر کئی بنا چکے فارن میں اپنا گھر
بلبل کو کوئی گلہ نہیں بجلی سے، زاغ سے
''دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے''
میری تو اے حبیبؔ یہ ہے عرض بار بار
ہر ایک فرد قوم کا ہو اِن کا غم گسار

امیر المومنین، خلیفۂ راشد و برحق
سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ابومعاویہ رحمانی

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) خداوند قدوس کے منتخب ان نفوس قدسیہ کی جماعت ہے جنہوں نے دین حق کی اشاعت وترویج کے لیے بارگاہ ایزدی میں ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ ان کی اس بے مثال قربانی وایثار کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضا وجنت کی بشارت دی۔ خداوند قدوس نے اپنے کلام میں ان قدسی صفات انسانوں کی متعدد مواضع میں تعریف بیان کی ہے۔ کلام مجید کی آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جو مفہوم اخذ ہوتا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقات ہیں ایک طبقہ مہاجرین ''**السابقون الاوّلون**'' کا ہے۔ اسی طرح انصار میں سے بھی ایک طبقہ ''**السابقون الاوّلون**'' کا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو کہ فتح مکہ سے قبل شرف اسلام سے مشرف ہوا اور ایک طبقہ وہ ہے جو کہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔ باوجود ان کے اس اختلاف طبقات کے قرآن مجید نے تمام حضرات کیلیے جنت اور رضوان الٰہی کی بشارت دی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک سیرت یہ ہے کہ جس کو قرآن وحدیث نے بیان کیا ہے۔ یہی ان کی حقیقی سیرت ہے۔ اب اگر کتب تاریخ میں کوئی ایسی روایت موجود ہو جس میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا ایسا کردار بیان کیا گیا ہو جو کہ صحیح حدیث اور قرآن مجید کی بیان کردہ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو تو اس تاریخی روایت کو ناقابل اعتماد سمجھا جائے گا جیسا کہ ناقدین فن میں سے **صاحب الاستیعاب ابن عبدالبر اور ابن اثیر** نے تصریح کی ہے کہ اس طرح کی روایات غیر مستند اور ناقابل اعتبار ہیں۔

امیر المومنین سیدنا ابوعبدالرحمٰن معاویہ بن ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہم کا خاندانی تعلق قریش کے مشہور قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ تھا۔ یہ قبیلہ قریش کے ان قبائل میں سے تھا جن پر مکہ کی اجتماعی زندگی کی بنیاد قائم تھی۔ شرف واحترام کے اعتبار سے یہ قبیلہ بنو ہاشم سے دوسرے مرتبہ پر ہے۔ قریش کا عقاب یعنی قومی پرچم اس قبیلہ کی تحویل میں تھا اس لیے قریش کی سپہ سالاری کے منصبِ رفیع پر بھی یہی قبیلہ فائز تھا اور اس قبیلہ کا ایک ممتاز وصف یہ بھی تھا کہ اس میں سیادت وقیادت کی اہلیّت بدرجہ اتم موجود تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تربیت اسی خاندان میں ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے متعلق اگرچہ روایت زیادہ مشہور ہے کہ فتح مکّہ کے موقع پر حصارِ اسلام میں داخل ہوئے لیکن حدیث کی امہات الکتب صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرۃ القضاء

کے موقع پر آپ مسلمان تھے اور کتب اسماء الرجال میں بھی ان کا اپنا یہ قول مذکور ہے کہ اس عمرہ کے وقت میں مسلمان تھا۔ اس لیے مؤرخین کے قول کے بہ نسبت ان کا اپنا قول ہی زیادہ معتبر ہوگا۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مَعیّت جہاد کی فضیلت حاصل ہوئی۔ پھر غزوہ تبوک جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ اور خاص اہمیت کا حامل تھا اس کے باعث مخلصین اور منافقین کی تفریق اور امتیاز ظاہر ہوگیا۔ اس غزوہ خاص میں بھی ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مَعیّت کا شرف حاصل ہوا اور اسی مقام پر شاہ روم کی جانب سے اس کا سفیر التنونی ایک خط لے کر آیا۔ تنونی کا اپنا بیان ہے کہ آپ کے پہلو میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا آپ نے پڑھنے کے لیے وہ خط اس کو دیا میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے تو مجھے بتایا گیا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس روایت کے محمل اور مصداق میں کئی احتمالات ہیں یا تو یہ حجۃ الوادع کا موقع ہے یا عمرۃ القضا کا یا عمرہ جعرانہ کا جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد ادا کیا تھا۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا تو نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حلق کرایا ہے اور وہ بھی منیٰ میں۔ اور عمرہ جعرانہ کا بھی نہیں اس لیے کہ آپ کا یہ عمرہ عشاء کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے کا ہے اور اس عمرہ کی ادائیگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو چند خواص تھے۔ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ اس لیے لازماً یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے جو کہ ۷ھ کو ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ۷ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شرفِ اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور اس وقت عام قریش مکہ جو کہ کفر کی حالت میں تھے مکہ سے باہر چلے گئے تھے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عام کفار کی طرح مکہ کا چھوڑنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ طرز عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے تھا۔ جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تھا کہ وہ بھی بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ سے کئی دن پہلے اس کا اظہار کیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پورا دورِ خلافت مسلمانوں کی باہمی خون ریزی میں صرف ہوگیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔ سبائیوں نے ان کو بھی باہمی خون ریزی میں الجھانے کی کوشش کی لیکن انھوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پورے عالم اسلام کے لیے خلیفہ مقرر ہوگئے اور داخلی انتشار کی وجہ سے جہاد اسلام کا سیل رواں عارضی طور پر ٹھہر گیا تھا اب پھر وہی میدانِ جہاد تھا اور مسلمان تھے۔

بلخ جدات کا علاقہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی فتوحات میں داخل ہو چکا تھا لیکن شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد انھوں نے بغاوت کر دی۔ اب جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ داخلی انتشار سے فارغ ہوئے تو ان علاقوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عامل عراق ابن عامر کو بلخ کے باغیوں کی سرکوبی کا حکم جاری کیا۔ انھوں نے ان علاقوں کو دوبارہ عالم اسلام میں داخل کیا۔ اسی طرح ۴۳ھ میں اہل کابل اور اس کے مضافات

کے لوگوں نے بغاوت کی ۔ اہل کابل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے عامل حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہم کو مقرر کیا۔ سندھ، سبستان ،مکران ،قندھار کی مہمات کے لیے مہلب بن صفرۃ کو منتخب کیا گیا۔احادیث کی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت ان الفاظ میں منقول ہے۔**اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم**.یعنی میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینۃ قیصر پر جہاد کرے گا وہ مغفور ہے۔اس حدیث کی تشریح میں اکابر علماء نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۲ھ کو پیش آیا اور اس غزوہ کا امیر الجیش سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے باعث اس جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے شرکت کی۔ میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ باوجود اپنی کبرسنی کے اس بشارت کو حاصل کرنے کے لیے اس جہاد میں شریک ہوئے ۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس سفر میں بیمار ہوگئے۔انھوں نے امیر الجیش امیر یزید کو وصیت کی اگر میں یہاں مرجاؤں تو مجھے بابِ قسطنطنیہ کے قریب جہاں مجاہدین جہاد میں مصروف ہوں،ان کے قدموں میں دفن کر دینا۔ چنانچہ راستہ ہی میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔امیر الجیش امیر یزید نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کی وصیت کے مطابق دامن قلعہ میں ان کو دفن کیا گیا۔قیصر روم نے کہا تم جس شخص کو اس مقام پر دفن کر رہے ہو۔ہم تمہارے جانے کے بعد قبر اکھاڑ کر لاش باہر پھینک دیں گے۔امیر یزید نے جواباً کہا اگر تم نے یہ حرکت کی تو عالم اسلام میں عیسائیت کا نام ونشان ہی نہیں رہے گا آخر اس نے معذرت کی اور اپنے مذہب کے مطابق قسم اٹھا کر ان کی تسلی کرائی۔

شمس الائمہ سرخسی نے شرح اثیر الکبیر میں یہ روایت درج کی ہے کہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور ان کی قبر سے ایک روشنی آسمان کی طرف بلند ہوئی۔صبح کو وہاں کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے رات کس شخص کو دفن کیا جب ان کو بتایا گیا کہ یہ شخص ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے تو کئی لوگ اس واقعہ کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے مناظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سامنے تھے ۔یہ بات ان کی اعلیٰ سیاست وتدبر کے خلاف تھی کہ امت کو بے سہارا چھوڑ کر وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جائیں اور ان کی وفات کے بعد پھر وہی ہولناک مناظر رونما ہوں۔انھوں نے صاحب رائے اور مدبّرین حضرات سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو آخر یہ بحث وتمحیص ان کے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پر منتج ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی ۔اس معاملہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اختلاف منقول ہے ۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تراشے ہوئے ناخن ،موئے مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاء کی ہوئی قمیض مبارک اپنے پاس اس وقت کے لیے محفوظ کر رکھی تھی۔ انھوں نے دیگر وصایا کے ساتھ خاص طور پہ یہ وصیت کی کہ اس قمیض میں مجھے کفن دینا اور ناخن مبارک کے تراشے اور موئے مبارک میرے منہ، ناک،آنکھوں اور کان میں رکھ دینا۔۲۲رجب ۶۰ھ کو ان کی وفات ہوئی اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی

تجہیز وتکفین کی گئی۔ سیدنا ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی احیاء وبقاء اسلام کے لیے وقف رہی۔ زندگی کے آخری لمحات تک اشاعتِ اسلام کی مساعی میں مصروف رہے۔ آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھا جائے اور ان پر کنٹرول مضبوط کیا جائے تا کہ اس کے ذریعہ باقی اقوام کو بدنظمی سے بچا کر ایک ضبط میں رکھا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کی وہ مظلوم ترین شخصیت ہیں کہ جن کے ہر عمل وکردار کو موردِ اعتراض قرار دیا گیا ہے۔ لباس، خوراک نشست، برخاست اور خلافت حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں کہ جن کے دورِ خلافت وامارت میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بہت ہی وسعت ہوئی۔ اسلامی بحریہ کی بنیاد کا سہرا بھی انہیں حاصل ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے جو سوالات ہیں ان میں بھی یہی کیفیت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام کا انکار ان کی والدہ محترمہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ پر اعتراض پھر ان کی ذات پر اعتراض حتیٰ کہ ان کے لباس اور خوراک پر اعتراض۔ اس وقت ہمارا روئے سخن اس اعتراض کی جانب ہے جو ان پر یزید کی ولی عہدی کی وجہ سے ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی حکومت کی وسعت کچھ اس طرح تھی۔ بخارا سے لے کر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔

ظاہر ہے اتنی بڑی عظیم سلطنت کے نظم وانتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے ہولناک مناظر ان کے سامنے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے تدبر اور مصالحت جوئی سے مسلمانوں کی یہ خانہ جنگی ختم ہوئی اور پھر دوبارہ اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی صورت حال کے پیشِ نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ اپنی زندگی میں آنے والے خطرات کی پیش بندی کرنے کے لیے اس کا انتظام کر جائیں۔ اسی ضرروت کے ماتحت انھوں نے مختلف شہروں سے آنے والے وفود سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور آخر یہی طے پایا کہ یزید کو ہی ولی عہد نامزد کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت کے حالات کا یہی تقاضا تھا۔ اس لیے کہ اگر یزید کو نامزد نہ کیا جاتا تو پھر انتشار وانشقاق کا خطرہ تھا۔ اسی ملی ضرورت ومصلحت کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ ۵۰ھ کا واقعہ ہے اور بعض کے نزدیک ۵۶ھ بہرصورت جو زمانہ بھی ہو۔ یہ دور صحابہ کا ہے کیونکہ صحابہ کے دور کا اختتام ۱۱۱ھ کو ہے۔ ظاہر ہے اس وقت کثرت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ سوائے چار حضرات کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعی ؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر اعتراض نہیں کیا اور پھر ان چار میں سے دو حضرات نے بھی بیعت کر لی تھی۔

ایک سوال میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا تذکرہ ہے۔ اس سوال میں کہا گیا ہے کہ ان کی باہمی عداوت ودشمنی جو چالیس جنگوں پر محیط ہے۔ حتیٰ کہ خطبوں میں طعن وتشنیع بلکہ لعنت وملامت تک نوبت پہنچ گئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف کوئی ذاتی عداوت پر مبنی نہیں تھا بلکہ ایک اجتہادی معاملہ میں ان کا اختلاف تھا جو

انتظامی نوعیت کا تھا۔ ان جنگوں کی تعداد کے بیان میں مبالغہ آمیزی ہے اور لعن وطعن کے بیان میں سبائی روایات کی کارفرمائی ہے حتیٰ کہ ان روایات کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے **واما لا خبار اللعن فمن اکاذیب التاریخ لانه لم یقل احد المتخاصمین بکفر الاخر حتیٰ یجوز له لعنه بل یعتقد انه مؤمن** (اتمام الوفاص ۲۵۹) ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے پر لعن کرنے کی روایات مؤرخین کی جھوٹی روایات ہیں کیونکہ ان دونوں جماعتوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے مخالف گروپ کو کافر نہیں سمجھتا تھا نہ ہی اس پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتا بلکہ ہر ایک دوسرے کے متعلق یہی اعتقاد رکھتا کہ وہ مومن ہے۔ جن روایات سے ہمارے معترضین احباب متاثر ہیں اس طرح کی روایات بیان کرنے والے مؤرخین کے متعلق بطریق تحذیر کے یہ فیصلہ ہے **وایا کم ودجالین وکذابین من المئو رخین قضت علیهم ظر و ف ومنهم ان یقبلوا الحقائق.** تم اپنے آپ کو ان دجال صفت اور جھوٹے مؤرخین سے بچاؤ جو کہ اپنے زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر حقائق کے خلاف روایات بیان کرتے ہیں اور ان روایات میں اللہ تعالیٰ اور امت اسلامیہ کی جانب کذب بیانی نسبت کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب قبیح کردار کی نسبت کرتے ہیں۔ **ویکذبو ا علی الله وعلی الا مة الاسلامیة فینسبون القبا ئح لاصحا ب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اختلاف کی نوعیت امور اجتہادی کے اختلاف کی نوعیت ہے اور ان کے اختلاف کا فیصلہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیشگی فرمادیا ہے حدیث شریف میں ہے کہ!

عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال سمعت رسو ل الله صلی الله علیه وسلمیقول سئلت ربی عن اختلا ف اصحابی من بعدی فأوحی الی یا محمّد ان اصحا بک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذبشئی بأ یّهم علیه من اختلافهم فهو عندی علیٰ هدیٰ.

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس میرے رب نے میری طرف وحی کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے بعض دوسرے سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کے لیے نور ہے۔ پس ان کے اختلاف میں سے جس نے جو اختیار کر لیا، پس وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔'' (مشکوۃ ص ۵۵۴، ج ۲، باب مناقب صحابہ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی نوعیت عام مجتہدین کے اختلاف کی صورت میں نہیں بلکہ ان کے اختلاف میں اصابت حق کا نور دونوں جانب میں موجود ہے البتہ اس کی کیفیت میں فرق ہے۔ بعض میں زیادہ اور بعض میں کم لیکن دونوں جانب نور۔ اس لیے اس حدیث کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ دونوں مصیب ہیں۔ اور ان کے اس اختلاف میں امت کے لیے رحمت کی یہ رہنمائی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اگر کوئی مناقشت کی صورت پیدا ہو جائے تو ان کو چاہیے کہ اپنے اس تنازع کو ختم کرنے کے لیے قرآن کی جانب رجوع کریں جیسا کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔ ایک سوال میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ے والد ماجد حضرت ابوسفیان صخر رضی اللہ عنہم بن حرب

اموی کومورد طعن قرار دیا گیا ہے۔ان سوالات کا ماٴ خذ وہ تاریخی روایات ہیں جو کہ ایک خاص نتیجۂ فکر کی عکاس ہیں ۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کو اخلاص پر مبنی قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے۔

ان کا اسلام قبول کرنا ایک وقتی مصلحت کے پیش نظر تھا جو کہ ''**الناس علیٰ دین ملوکھم**'' کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے پھر اپنے اس نظریہ کی تائید میں ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعہ پیش کیا گیا ہے کتب تاریخ میں غیر مستند ہے۔روایات میں ان کی تنقید کا یہ فقرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے ۔ناقدین فن میں سے صاحب الاستعاب ابن عبدالبر اور ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ اس طرح کی روایات غیر مستند اور نا قابل اعتبار ہیں۔

ایک اور سوال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر اعتراض ہے کہ انھوں نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا۔اس درندگی کے باوجود ایسی خاتون کے نام کے ساتھ سیدہ لکھنا کہاں تک مناسب ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بارے میں کلیجہ چبانے کی روایت بھی اسی قبیل سے جو کذب بیانی، تہمت اور تعصب کے زمرے میں آتی ہیں۔پھر جس فعل کی ان کی جانب نسبت کی گئی ہے یہ فعل زمانۂ کفر کا ہے اور شریعت کا قانون ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ ''**الاسلام یھدم ما کان قبلہ**'' کہ اسلام کے باعث زمانہ کفر کے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں ہاں۔اگر وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوتیں پھر اگر کوئی شخص ان کے نام کے ساتھ لفظ سیدہ تحریر کرتا تو پھر واقعی یہ بات قابل اعتراض ہوتی۔پھر ان کے مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی ہے وہ اس سبائی نظریہ کی تکذیب کرتی ہے اور یہ گفتگو حدیث کی امہات الکتب ''صحاح ستہ'' میں موجود ہے۔

ایک سوال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی اور ان کے دسترخوان کی وسعت کو بھی مورد طعن بنایا گیا ہے۔قانون اسلام میں ایک کفالت عامہ کی شق ہے۔اسی مد میں بیت المال سے وظائف کا اجراء کیا جاتا ہے۔اور باقی رہا۔ان کی مہمان نوازی تو وہ ان کے ذاتی مال سے ہوتی تھی وہ کوئی اس زمانہ کے حکمرانوں کی طرح نہیں کہ ملکی خزانہ کو ذاتی ملکیت تصور کریں۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ان کے متعلق خیانت کا تصور بھی محال ہے۔اس سوال کی دوسری شق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لباس کے باعث مورد طعن قرار دیا گیا ہے۔واقعہ دراصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لباس کے متعلق کتب تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے جسم پر پیوند شدہ لباس ہوتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ والے واقعہ میں جس لباس کا تذکرہ ہے وہ بھی ثابت ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب (کہ میں نے کافر بادشاہوں کو مرعوب کرنے کے لیے پرانے لباس پر نیا لباس پہنا ہے) پر خاموش ہو گئے تو معلوم ہوا کہ ان کا جواب صحیح ہے ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تسامح کا تو تصوّر ہی نہیں ہو سکتا جب اصل معترض نے ان کے جواب کو صحیح تسلیم کیا تو پھر اس کے بعد تو کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ عذر نا قابل قبول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان ویقین پر شک اور اُن کی پاکیزہ ونورانی شخصیت و سیرت پر تنقید سے بچائے اور اُن کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین

بائیس رجب کے کونڈے، عید بابا شجاع اور عیدِ غدیر

حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ (محمدی شریف، جھنگ)

یہ ایک قدیم طریقہ چلا آیا ہے کہ ہر دور کے معاشرہ میں کچھ رسومات اور عادات جاری ہوتی ہیں۔ اور لوگ انہیں ایک کارِ خیر کے طور پر ادا کرتے ہیں اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتے ہیں۔ اسلام نے اس نوع کی دُور از صواب رسوم سے منع کیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ روافض نے ان بے سروپا رسوم کو خوب رواج دے رکھا ہے اور قوم میں نشر کر دیا ہے اور عوام میں انہیں حصول ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔

درحقیقت وہ تقریبات ایک دیگر مقصد کے پیش نظر قائم کی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عناد و عداوت پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی غرض فاسد کے پیش نظر انہیں سرانجام دیا جاتا ہے۔ مثلاً ماہ رجب کی بائیس تاریخ کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کونڈے پکائے جاتے ہیں اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ امام صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ خوانی کے طور پر برائے ایصال ثواب یہ کونڈے کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز سو فیصد غلط اور دروغ گوئی ہے۔ رسم ہذا کے بجالانے کا مقصد ہی دوسرا ہے۔ دراصل ۲۲؍ رجب ۶۰ھ کو خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ کاتبِ وحی ہیں اور ملت کے عظیم کارنامے بجالانے والی شخصیت ہیں۔ دین کو ترقی اور فروغ دینے میں ان کا اہم مقام ہے جو اعدائے صحابہ کو سخت ناگوار ہے۔ اسی لیے ان کی وفات کی خوشی میں یہ کونڈوں کی تقریب منعقد کی جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت رمضان المبارک ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں علماء تراجم نے لکھی ہے اور ایک دیگر قول کے مطابق آں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۷؍ ربیع الاول ۸۳ھ بیان کی جاتی ہے۔ علمائے رجال نے آں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۱۵؍ شوال ۱۴۸ھ تحریر کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بائیس رجب کی تاریخ نہ تو امام صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت ہے اور نہ ہی تاریخ وفات ہے۔ لہٰذا ان کے نام پر کونڈوں کی رسم قائم کرنا محض خدع اور دھوکہ بازی ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوشی منانے کے لیے عجیب طریقہ سے فریب کاری کی جاتی ہے۔ نیز ماہ رجب کے کونڈوں کی ایجاد کے متعلق واضح ہو کہ مشہور رافضی شاعر و مدح گو اور موجد مراثی ''امیر مینائی'' کے لڑکے ''خورشید مینائی'' رافضی نے ۱۹۰۶ء میں بائیس رجب والے کونڈوں کی رسم کی ابتدا کی تھی۔

اس کے بعد والیٔ ریاست رام پور (بھارت) نواب حامد علی خان نے اس رسم کی اشاعت اور فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس سے قبل پاک وہند میں اس رسم کا رواج نہیں تھا۔ بھارت میں اور پاکستان کے صوبہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں اس قبیح رسم کا رواج پایا جاتا ہے۔ ناواقف احباب اور کم علم دوستوں کے لیے یہ چند سطور درج کر دی ہیں اہل علم حضرات ان چیزوں سے خوب واقف ہیں۔

اسی طرح اعداء صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک رسم ''عید بابا شجاع'' کے نام سے قائم کی ہوئی ہے۔ غالباً دیسی مہینہ ''ہاڑ'' کی کسی تاریخ کو وہ عید منعقد کی جاتی ہے۔ وہ تاریخ ان کے ہاں عید کا یوم اور خوشی کا روز ہوتا ہے۔ اور بڑی دھوم دھام سے خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یومِ شہادت (جو کہ یکم محرم ۲۴ھ ہے) پر یہ تقریب بصورت عید قائم کی جاتی ہے۔ اور ''بابا شجاع'' سے مراد ابولؤلؤ (فیروز نامی) ایرانی نژاد وہ شخص ہے جس نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ تقیہ اور توریہ کے طور پر یہ لوگ اسے ''بابا شجاع'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دراصل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں یہ عید قائم کی جاتی ہے۔ یہ ان کے لیے باعث مسرت ہے۔

ایک اور رسم بھی ان کے ہاں مروّج ہے اور بڑے شاندار طریقہ سے منائی جاتی ہے اس کا نام ''عید غدیر'' تجویز کیا ہوا ہے۔ غدیر مقام جحفہ کے قریب ایک تالاب تھا جسے غدیرِ خُم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ مقام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع تھا۔

عوام میں یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ۱۸/ذوالحجہ ۳۵ھ کے روز جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو ''غدیر'' کے مقام پر منصب ''خلافت وامامت'' عطا فرمائی اور ''دستار خلافت'' حضرت علی المرتضٰی کے سر مبارک پر رکھی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ تمام خوشیاں منائی جاتی ہیں اور ''عید غدیر'' قائم کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس عید کی حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخ (۱۸/ذوالحجہ ۳۵ھ) کو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو مخالفین نے ظلماً شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ آں موصوف رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں یہ تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

(تحفہ اثناعشریہ، از شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تحت باب نہم در احکام فقیہ، ص ۲۴۷) طبع سہیل اکیڈمی، لاہور

یہ چند ایک رسومات کو بطور نمونہ کے بیان کیا گیا ہے اس نوع کی رسومات ان کے ہاں بہت سی جاری ہیں...... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے یہ طریقے ہیں اور ان کو تقیہ اور توریہ کے طور پر بجالایا جاتا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

اہل اسلام احباب کو متنبّہ کیا جاتا ہے کہ ان کی رسومات میں شامل ہونے سے اجتناب کریں اور اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی فکر کریں۔ اور اتباع سنت کو اپنا معمول بنائیں۔ اور ان لوگوں کی تقریبات میں ہرگز شمولیت نہ کریں۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے

جاوید اختر بھٹی

اردو کے سب سے بڑے ادیب پریم چند نے' جو نظریاتی طور پر کانگریسی تھے۔ وہ مسلمانوں کے بارے میں بہتر رائے رکھتے تھے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔

انھوں نے کہا تھا:

''یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ تلوار کی طاقت سے کوئی مذہب نہیں پھیلتا۔ بھارت میں اسلام پھیلنے کی وجہ اونچی جاتیوں کے ہندوؤں کا نیچی جاتی کے ہندوؤں پر مظالم تھے۔ اسلام کی آغوش میں آتے ہی تمام ناپاکیاں اور نابرابریاں ڈھل جاتی تھیں۔ وہ مسجد میں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا تھا۔ بڑے بڑے سید زادے ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا تناول کر سکتے تھے۔ وہاں کوئی نہیں پوچھتا کہ فلاں شخص کیسا اور کس طبقے کا مسلمان ہے وہاں سبھی مسلمان ہیں۔ اس لیے نیچوں (ہندوؤں کے نچلے طبقے) نے اس نئے مذہب کا خوشی سے استقبال کیا اور گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے۔ ان کی نظر میں اسلام ایک فاتح دشمن نہیں۔ ایک فراخ دل مذہب تھا۔ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنے خصائل کے ظہور کی طاقت پر پھیلا۔ اس لیے پھیلا کہ اس کے یہاں سبھی انسانوں کے حقوق برابر ہیں۔''

پریم چند کے بعد اگر قائداعظم کے اقوال دیکھیں تو عقیدے کی پختگی نظر آتی ہے۔

''ہندوستانی تاریخ کی ہزار سالہ زندگی ہندو مسلم اتحاد کو قائم کرنے میں ناکام رہی۔ ہندوستان ہمیشہ دو حصوں میں منقسم رہا۔ ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان۔ (لاہور مارچ ۱۹۴۰ء)

....

ہندو اور مسلمانوں کے فرق کی جڑیں بڑی گہری اور ناقابلِ تنسیخ ہیں۔ ہم ایک الگ قوم ہیں۔ جس کا اپنا منفرد کلچر اور تہذیب' زبان اور ادب' آرٹ کا فن عمارت سازی' نام اور شجرہ' احساس قدر اور مناسب قانون اور اخلاقی قواعد' رسم و رواج اور کیلنڈر' تاریخ اور روایت' خیالات اور خواہشات ہیں (۱۹۴۲ء)

ایک اقتباس راجا صاحب محمود آباد کا پیش کرتا ہوں۔ اس میں الگ وطن کے مطالبے کے ساتھ جذبہ ایمانی شدت سے موجود ہے اور راجا صاحب اسلام کے سچے سپاہی نظر آ رہے ہیں۔

انھوں نے فرمایا:

''کروڑوں بنیوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ جماعت جس نے کبھی سپاہیوں کی طاقت پر ہندوستان فتح کیا تھا۔ آج بھی شرطیں منوا سکتی ہے۔ تاریخ عالم میں اس مسلم قوم کی آج بھی ایک بنیاد ہے اور شور مچانے والے قلم گھسیٹو جیسے ہندو ہماری مخالفت کی ہمت کرتے ہیں۔ تو ان کا نام و نشان اس دنیا سے مٹا دیا جائے گا۔'' (راجہ محمود آباد۔ اتر گاتھا۔ شمارہ ۱۰،۱۱)

ایسے شمار بیانات' مضامین اور تقریروں سے ہماری آزادی کی تحریک بھری ہوئی ہے۔ ہم شکل وصورت اور لباس دیکھ کر اندازہ کرتے ہیں کہ کوٹ پتلون پہنے والا شخص سیکولر ہوسکتا ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کی سرزمین پر تباہی مچادی کہ رہے نام اللہ کا۔ صدیوں پرانے رشتے اور تعلق ختم ہوگئے۔ ہندو' سکھ' اور مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے۔

میری ماں ایک ان پڑھ عورت تھی۔ اسے قصہ کہانیاں کم ہی آتے تھے۔ وہ ساری زندگی مجھے اور میرے دوسرے بہن بھائیوں کو ہجرت کے قصے سناتی رہی۔ آخر وقت تک اس کے دل میں ہجرت کا ایک خوف تھا۔ وہ اپنی ہندو سہیلیوں کو یاد کیا کرتی تھی۔

ضیاء الحق کا دورِ آمریت تھا۔ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات قدرے بہتر ہوئے تھے۔ دونوں طرف سے آمد و رفت شروع ہوئی تو میں اپنی ماں سے کہا اگر آپ نے ہندوستان جانا ہو تو بتائیں۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے کہا کیوں؟ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ ہر شام اس گھر کا ذکر کرتی تھی۔ جسے اس نے ہجرت کے وقت چھوڑا تھا۔

میری ماں نے کہا۔ ''جب انھوں نے ہمیں وہاں رہنے ہی نہیں دیا۔ تو انہیں مل کر کیا کریں گے؟'' یہ بات درست تھی۔ میری ماں نے اس کا اظہار بہت دکھ اور کرب کے ساتھ کیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب حکومت سیاسی طور پر ناکام ہوگئی۔ تو فوج کشی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان میں سیاسی طور پر ناکام ہوگئے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں ناکام ہوئے اور آج پاکستان میں ناکام ہو رہے ہیں اور جب فوج بونیر' مالاکنڈ اور سوات میں داخل ہوئی تو لاکھوں لوگ ہجرت پر مجبور ہوگئے اور اب ایک حکومتی بیان میں کہا گیا ہے کہ ان مہاجروں کی واپسی اور بحالی کو پانچ سال لگ سکتے ہیں۔

میری ماں جو واقعات سنایا کرتی تھی اس میں ایک ملک کے تقسیم ہونے کا ذکر آتا تھا لیکن اب تو لوگ اپنے وطن میں بے گھر ہو رہے۔ ہجرت کرتے ہوئے ان لوگوں پر اس شک کا اظہار بھی کیا جارہا ہے کہ ان میں طالبان فرار ہو رہے ہیں۔ دراصل حکومت ابتداء ہی سے اپنی گرفت مضبوط نہ کرسکی۔ اسے کبھی فوج کی طرف دیکھنا ہوتا ہے اور کبھی امریکہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ عوام کی حیثیت تو غلاموں کی سی ہے۔ کسی بھی شہر کو خالی کرنے کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ ہجرت کسی وقت مسلط ہوسکتی ہے۔ داستانیں کسی لمحے جنم لے سکتی ہیں۔ اب گھروں سے مہاجر کیمپ زیادہ دور نہیں رہے۔ سوات سے جو لوگ آرہے ہیں ان کے پاس بہت معمولی سامان ہے۔ اور وہ اپنے بھرے ہوئے گھر چھوڑ آئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے

گھروں میں کب واپس جائیں گے۔

امریکہ کی اجازت سے ہمیں وطن عزیز میں وہ خامی تلاش کرنی چاہیے۔ جس نے ہمیں دہشت گرد مشہور کر دیا ہے۔ مشہور کیا کر دیا ہم دہشت گرد ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم پر امن شہری بھی ہیں۔ ہم میں بیک وقت دونوں ”خوبیاں“ ہیں۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ دہشت گرد رہنا چاہتے ہیں یا پر امن شہری۔

دہشت گردوں کو خفیہ طاقتیں اسلحہ اور سرمایہ دیتی ہیں تو پر امن شہریوں کو حکومت اور این جی اوز تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ میڈیا تو یہی تاثر دیتا ہے اور حکومت بھی اسی طرح کی بات کرتی ہے۔ اس کے بعد مزید تصدیق کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے گھر میں خوف زدہ ہوں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ ہجرت اور نقل مکانی کے اعلان کا مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ مجھے کہاں رکھا جائے گا اور میرا کیمپ کہاں بنایا جائے گا۔ اور مجھے کتنی دور پیدل چلنا ہوگا۔ کیا میں طویل مسافت طے کر سکوں گا یا راستے میں گر جاؤں گا۔ اخبار میں ایک بھوکے اور تھکے ہارے شخص کی تصویر شائع ہوگی اور میری تصویر ہوگی۔ یہ سب اس لیے ہوگا کہ میں بہت جانتا ہوں کہ میرے وطن میں امن نایاب ہے۔

میری ماں نے کہا تھا ہجرت میں بہت دور پیدل چلنا پڑتا ہے۔ پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔ میں بار بار اپنے پاؤں دیکھتا ہوں کہ ان میں مسافت کا دم ہے؟ ان میں چھالوں کی سکت ہے؟ ان میں چلنے کا حوصلہ ہے؟

حاکم سے کہو کوئی تدبیر کرے؛ رعایا بہت دکھی ہے۔

حاکم سے کہو بانسری بجائے؛ تمام حاکم ایسا ہی کرتے ہیں۔

حاکم سے کہو اپنی فوج میں اضافہ کرے؛ حاکم کو ایسا کرنا چاہیے۔

حاکم سے کہو وہ صرف جنگ لڑے؛ تاکہ اس کی طاقت بڑھے۔

حاکم سے کہو وہ اپنے محل میں چلا جائے اور عیش کی زندگی بسر کرے۔ ہمیں اس کی زندگی بہت عزیز ہے۔

ایک سیانے نے کہا تھا۔ ”ہر شخص جسے میں ملتا ہوں۔ اس کے چہرے پر نقاہت و غم کے نشانات ہوتے ہیں۔“ لیکن حاکم کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے چہرے نہ دیکھے۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپئیر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

آج ہم کہاں کھڑے ہیں، کیوں کھڑے ہیں؟

عبدالرشید ارشد (جوہر آباد)

آج ہم جہاں کھڑے ہیں، یہ مقام ہر حساس دل کو خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی ہے۔ آج ہم جہاں کھڑے ہیں ہمیں کسی غیر نے انگلی پکڑ کر لا کھڑا نہیں کیا۔ یہ اپنوں کی کاشت کردہ فصل ہے جو ہم کاٹ رہے ہیں، کاٹنے پر مجبور ہیں۔

اس گھر کی خاک اُڑانے میں گھر والوں کا بھی حصہ ہے
دو چار برس کی بات نہیں یہ نصف صدی کا قصہ ہے

آج سینۂ دھرتی پر بہشت، وادی سوات لہولہان ہے، جل رہی ہے۔ بلوچستان کا خطہ انتہائی خطرناک لاوا اگل رہا ہے۔ عروس البلاد کراچی سلگ رہا ہے بلکہ کبھی کبھی اٹھتے شعلے کچھ قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی وصول کرتے ہیں۔ فاٹا قبائل کے محبِّ وطن خاک وخون میں لتھڑے دیکھے جا رہے ہیں۔ ان کے گھر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

ملک کی مسلح افواج قوم کا قیمتی ترین اثاثہ ہوتی ہیں۔ دفاعِ وطن اس کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ فوج اُس وقت تک دفاعِ وطن کے تقاضے کما حقہ پورے کر ہی نہیں سکتی جب تک کہ قوم سیسہ پلائی دیوار بن کر اُس کی پشت پر کھڑی نہ ہو۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اس کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہے۔ آج سوات اور فاٹا میں فوجی آپریشن فوج کو عظیم ترین نقصان سے دوچار کر رہا ہے۔ پہلا نقصان فوج کے جوانوں کی قیمتی جانیں اور وہ اسلحہ ہے جو پاکستان کے ازلی دشمن کے خلاف مؤثر دفاع کی ضرورت تھی اور ضرورت ہے، یہ ضائع ہو رہا ہے۔ دوسرا نقصان عوام اور فوج کے درمیان نفرت کی لمحہ لمحہ وسیع ہوتی خلیج ہے۔ آپریشن کے دوران مرنے والے جوانوں کی لاشیں جب اُن کے آبائی وطن پہنچتی ہیں تو تمام تر ''فوجی اعزاز'' کے باوجود عوام میں نفرت کا بیج اُگتا ہے۔ یہ نفرت ملک کے اجتماعی مفاد کے لیے زہر قاتل ہے۔ یہ زہر پھیلانے میں دشمن کامیاب ہے۔

مذکورہ صورتحال ہمہ جہت بداثرات مرتب کر رہی ہے اور ان بداثرات کی ''ماں'' مایوسی ہے جو کبھی بھی کسی فرد، کسی معاشرہ اور کسی ملک کے لیے خیر و برکت کا سبب نہیں رہی۔ مایوسی ڈولتی نیّا کو سہارا دینے کے بجائے ڈبوتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اس کے نظریاتی تشخص کے دشمن ہر قیمت پر مایوسی کے گھمبیر سائے پھیلا کر قوم کو مفلوج کرنے

کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ یہ دشمن کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ جب تک '' گھر کے مکینوں'' میں سے انھیں کوئی مددگار نہ ملیں اور ہمارا ملک ایسے مددگار فراہم کرنے میں مثالی ریکارڈ رکھتا ہے۔ نصف صدی کی تاریخ کا ہر ورق اس پر گواہ ہے اور ہر باشعور بھی گواہ ہے۔

آج ہم جہاں کھڑے ہیں، ہم یہاں تک کیوں کر پہنچے؟ اس بنیادی سوال کا جواب تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ اس ضمن میں ہمارے رویے ہی ہم پر گواہ ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے محشر میں انسانی اعضاء اس پر گواہ ہوں گے۔ ان رویوں کو کوئی دوسرا ہوا تو دے سکتا ہے مگر ان کی '' ملکیت'' پر ہماری ہی اجارہ داری مسلمہ حقیقت ہے۔ مثلاً:

☆ حُب الوطنی پر حُبِ جاہ و مال ہر دور میں چھائی رہی۔ یہاں تک کہ امریکہ جیسے '' جگری یار'' کی عدالت میں کسی نے کہا کہ پاکستانی تو پیسے کے لیے اپنی ماں فروخت کر دیتے ہیں، ہم خاموش رہے۔

☆ حُبِ جاہ و مال کے غلبہ نے ہم سے قومی و ملی حمیت و غیرت چھین لی۔ یہاں تک کہ اسرائیلی وزیر نے علی الاعلان کہا کہ اب مسلمانوں میں کوئی عمرؓ، کوئی صلاح الدین ایوبیؒ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اب کسی کا ڈر نہیں ہے۔

☆ چرچل نے دوسری جنگِ عظیم میں تباہ ہوتے برطانیہ پر ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اگر برطانیہ کی عدالتیں انصاف کر رہی ہیں تو برطانیہ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہماری عدالتیں پچاس سال میں انصاف کا ریکارڈ رکھنے میں ناکام رہیں۔

☆ ملت کی بنیادیں نظامِ تعلیم کے ریاست کے نظریاتی تشخص کے ساتھ ہم آہنگ ہونے سے مشروط ہوتی ہیں مگر ہم نے امکانی کوشش کی کہ ملک میں نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ نظامِ تعلیم و تربیت جاری و ساری نہ ہو۔

☆ نظامِ تعلیم و تربیت ہی کے ضمن میں دینی تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت کی اہمیت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا مگر ہمارے دینی مدارس نے بڑے اہتمام کے ساتھ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ '' فاضلین'' کی کھیپ تیار کرنے پر توجہ دی۔

☆ حُبِ مال اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے اور مسلمان کہلوانے والے حکمرانوں کے متعلق Do More لطیفہ بن گیا ہے۔ مثلاً اسلام دشمن امریکہ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ Do More یعنی اور زیادہ مسلمان مارو تو جواباً پاکستانی حکمران بھی کہتا ہے کہ Do More یعنی اور زیادہ ڈالر معاوضے میں دو۔ دو طرفہ Do More نے ملک کو بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔

☆ حُبِ جاہ و مال کے ضمن میں کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم نے ۳۵، ۳۵اور ۴۰، ۴۰ لاکھ ماہوار تنخواہوں اور اسی قدر ماہانہ مراعات پر مختلف محکموں، کارپوریشنوں میں سفید ہاتھی باندھ رکھے ہیں جب کہ ملک کا حقیقی سرمایہ یعنی اصل کارندے معلمین ہوں یا صنعتی مزدور و کسان ہوں، نانِ جویں کو ترستے، بچے اور گردے فروخت کرتے

دیکھے جاتے ہیں۔

☆ یہ بھی حُبِ جاہ و مال ہی ہے کہ ہم ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف، لندن، پیرس کلب یا ایشین بینک سے اُن کی پسندیدہ اور ہمارے لیے خالصتاً عوام دشمن، ملک دشمن شرائط پر قرض پر قرض لیے جاتے ہیں۔ اس ''یقین'' کے ساتھ کہ یہ قرض ہمارے بعد آنے والوں نے ادا کرنا ہے جب کہ ہم نے تو اس قرض پر ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کے مصداق حکمرانی کے مزے لوٹنے ہیں۔ یہ عملاً لوٹے جا رہے ہیں، قوم گواہ ہے۔

☆ اسلامی جمہوریہ پاکستان غالباً دنیا میں پہلی مثال ہے۔ جہاں صوبائی اور وفاقی سطح پر وزیروں، مشیروں کی فوج موجود ہے اور مزید ''بھرتیوں'' کے لیے نت نئے محکمے تخلیق کیے جا رہے ہیں اور پھر ہر محکمے کے وزیر کے لیے ایک سیکرٹری، ایڈیشنل اور ڈپٹی سیکرٹری، سیکشن آفیسرز پھر دوسرا ماتحت عملہ اور اُن کے لیے دفاتر، گاڑیاں اور نہ جانے کیا کیا مراعات طے کی جاتی ہیں۔ قومی خزانہ اس بوجھ کا متحمل نہیں ہو پاتا۔ ان بھرتی ہونے والوں کے تمام اَللّے تللّے یا تو قرض سے نبھتے ہیں یا قوم کا خون ٹیکسوں کے ذریعے نچوڑ کر پورے کرنے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔

مذکورہ طرز کے اسباب وعلل کی ایک طویل فہرست ہے۔ جنھوں نے آج قوم کو بند گلی میں لا کھڑا کیا کہ گھمبیر صورتحال میں نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی کیفیت ہر ذی شعور کے سامنے ہے۔ اس صورتحال کے ذمہ دار جہاں سیاست دان اور علماء کرام ہیں، وہیں عوام بھی بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ عوامی قوت کے سامنے بڑے سے بڑا فرعون صفت حکمران نہیں ٹھہر سکتا۔ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ایران کا رضا شاہ پہلوی امریکی بیساکھیوں کے سبب اپنے آپ کو مضبوط ترین حکمران سمجھتا تھا مگر ایرانی عوام کی قوت نے اُسے بے یارو مددگار فرار پر مجبور کر دیا۔ دور نہ جائیں اپنے وطن میں ۱۶/ مارچ سے پہلے حکمرانوں کی اکڑی گردن میں بل نہ آتا تھا مگر ۱۶/ مارچ کو عوامی یکجہتی نے اکڑی گردن والے حکمران کا پتہ پانی کر دیا اور وہ اُس شخص کو بحال کرنے پر مجبور ہو گیا جس کا نام لے کر وہ کہتا تھا کہ یہ کبھی بحال نہیں ہو سکتا۔ اس قوت کو بروئے کار لانے کے لیے مؤثر کردار احساسِ ذمہ داری سے سرشار علمائے کرام کر سکتے ہیں یا بے داغ کردار والے محبِّ وطن سیاست دان کر سکتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف بھارت، اسرائیل اور امریکہ کا اتحادِ ثلاثہ تو ہے ہی مگر اس خارجی اتحاد کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ملک کے اندر ایک طرف ایم کیو ایم ہے تو دوسری طرف پیپلز پارٹی کی اعلیٰ سطحی قیادت میں سے بعض شخصیات جو ملک سے زیادہ ڈالروں سے محبت کرنے والے ہیں۔ ثانی الذکر کی سرکوبی پارٹی کے مخلص اور محبِّ وطن کارکن کر سکتے ہیں کہ یہ اُن کی حب الوطنی کا امتحان ہے اور اس طرح ''پاک کی گئی'' یہ حکمران پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم سے اچھی طرح نبٹ سکتی ہے تا آنکہ ایم کیو ایم کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ ایم کیو ایم کے لوگ ہیں جو بھارتی ''را'' سے

بھارت میں تربیت حاصل کر چکے ہیں اور ان کے ''را'' کے ساتھ روابط پر بھی بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ اسی جرم پر صلاح الدین شہید کیے گئے تھے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دشمن طالبان نہیں ہیں۔ یہ طالبان افغانستان کے ہوں یا پاکستان کے۔ یہ محبّ وطن لوگ ہیں۔ پاکستان کے دشمن تو بھارت، اسرائیل اور امریکہ کے خرید کردہ، اُن کے دیئے ہوئے اسلحہ کے بل بوتے پر فتنہ پھیلانے والے دہشت گرد ہیں جنھیں طالبان کا نام دے کر، اُن کی مکمل پشت پناہی کرتے، بلوچستان، فاٹا اور سوات وغیرہ میں فعال رکھا گیا ہے تاکہ پاکستان کو غیر مستحکم ہی نہیں بلکہ مزید ٹکڑوں میں بنگلہ دیش بنانے کی طرح تقسیم کرتے (خاکم بدہن) ختم کر ڈالا جائے۔ اس خباثت کا توڑ صرف فوجی آپریشن نہیں ہے بلکہ جو وسائل ہر شعبہ میں بیٹھے ''سفید ہاتھی'' ہڑپ کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی منصفانہ انداز میں محروم طبقات میں تقسیم کیے جائیں۔ مفید ترین منصوبوں پر مکمل دیانتداری کے ساتھ خرچ کیے جائیں۔ بلوچستان کا احساسِ محرومی دیانتداری سے ختم کیا جائے۔

استحکامِ وطن کے تقاضوں میں ترجیحاً تعلیم اور نظام عدل کا قبلہ درست کرنا ہے یا سودی معیشت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ یہ تین کام اخلاصِ نیت سے ہو جائیں اور تسلسل برقرار رہے تو دوسرے سبھی معاملات بتدریج درست ہوتے جائیں گے۔ مسلمان کی عملی زندگی کا دستور العمل قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسے کامل یکسوئی سے تھام لیا جائے تو دنیا و آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔ علامہ اقبال فرما گئے کہ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

کامیابی اور بقا کا یہی ایک راستہ ہے باقی سبھی راستے گمراہی اور بربادی کی طرف جاتے ہیں۔ ایک طرف خالق کی رہنمائی ہے تو دوسری طرف ابلیس اور اس کے حواریوں کی۔ علم، عقل اور بصیرت سے فیصلہ لیں گے تو یہ خالق سے رجوع کے حق میں ہی فیصلہ دیں گے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
30 جولائی 2009ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

آخری قسط

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر خالد شبیر احمد

ردّ قادیانیت کی تین اہم شخصیتیں:

تاریخ محاسبۂ قادیانیت میں کئی نامور شخصیتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جنھوں نے مذہب کے نام پر قادیانیت کے اس سیاسی گروہ کے اصل خدوخال کو امت مسلمہ سے متعارف کرایا اور قادیانیت کی یلغار کو روکنے کے لیے انتہائی اہم خدمات سرانجام دیں۔ جو تاریخ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور جس پر ہماری آنے والی نسلیں قیامت تک فخر کرتی رہیں گی۔ لیکن تین شخصیتیں اپنی نوعیت کار کے حوالے سے باقی تمام شخصیتوں سے مختلف و منفرد شخصیتیں ہیں۔ جن میں مولانا محمد علی مونگریؒ، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ شامل ہیں۔ قادیانیت کے سیلاب کو روکنے اور امتِ مسلمہ کو قادیانیت کے خلاف تلقین و ترغیب کے میدان میں ان تینوں شخصیتوں کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔ جو بے چینی و اضطراب اس سلسلے میں ان کے ہاں ملتی ہے وہ ہمیں کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے بارے میں آپ چار قسطوں میں میرا مضمون پڑھ چکے ہیں اور حضرت رائے پوریؒ کے بارے میں آخری قسط میں آپ پڑھ لیں گے کہ آپ قادیانیت کے بارے میں کس قدر بے چین و مضطرب رہتے تھے۔ شاید اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ قادیانیت کو امت مسلمہ کے مدِ مقابل ایک ایسی سامراجی تنظیم سمجھتے تھے کہ جس کا وجود امتِ مسلمہ کے دینی عقائد کے ساتھ ساتھ سیاسی مقاصد کے حصول کے راستے کی بھی ایک اہم رکاوٹ تھی۔ لیکن یہاں تھوڑا سا تذکرہ مولانا محمد علی مونگریؒ کے بارے میں ضروری سمجھتا ہوں۔ مفصل مضمون تو پھر کسی وقت ان شاء اللہ تحریر کرنے کا ارادہ ہے تاہم اک تسلسل کو قائم کرنے کے لیے چند سطریں ان کے بارے میں ضروری خیال کرتا ہوں۔

مولانا محمد علی مونگریؒ ردِّ قادیانیت کے محاذ پر اپنی پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اس قدر مستعد ہو گئے تھے کہ رات دن انہیں بس ایک ہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ قادیانیت کا محاسبہ اور اس کا تدارک کس طرح ممکن ہو۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ بالخصوص ایسے تمام لوگ جن کا صوبہ بہار سے تعلق تھا مولانا کے ساتھ روحانی طور پر وابستہ تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو معاونین کی ایک کثیر تعداد میسر آ گئی تھی جنھیں انھوں نے قادیانیت کے خلاف کام کرنے کی ترغیب دلائی اور اس طرح بہت جلد یہ ترغیب ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق تاریخ محاسبۂ قادیانیت کے سلسلے حضرت مولانا محمد علی مونگریؒ کو روزِ اوّل میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ وہی جذبہ، وہی

ذوق وشوق، وہی بے چینی واضطراب جو ہم حضرت انور شاہ کاشمیری اور حضرت رائے پوری میں دیکھتے ہیں مولانا محمد علی مونگری کے ہاں بھی موجود ہے۔انھوں نے صوبہ بہار میں خصوصیت کے ساتھ قادیانیت کی یلغار کو نہ صرف روکا بلکہ اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔

حضرت رائے پوری اور قادیانیت:

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کو ایک فوقیت دوسرے اکابر پہ اس طرح حاصل تھی کہ انھوں نے قادیانیت کے دور آغاز اور اس کے دوسرے تمام ادوار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خود مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم نورالدین سے ذاتی وقریبی واقفیت حاصل کی۔شاید یہی سبب تھا کہ آپ پر قادیانیت کے درپردہ مقاصد بڑی تفصیل کے ساتھ واضح ہوگئے۔انھیں اس بات کا شدید احساس ہوگیا تھا کہ قادیانیت دینِ اسلام کے بنیادی عقائد اور سیاسی مقاصد کے راستے کی ایک عظیم رکاوٹ ہے اور اگر اس فتنہ کا تدارک نہ کیا گیا تو یہ فتنہ آگے چل کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف پاک و ہند بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اتنی مہلک اور خطرناک صورت اختیار کر لے گا کہ اس کا علاج سرے سے ممکن ہی نہیں ہوگا۔حضرت رائے پوریؒ قادیانیت کو ہر حوالے اور ہر سطح پر اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت اور ان پر جو اعتماد تھا، آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ جو آپ کو عشق اور محبت تھی اس کی بنا پر بھی وہ ہر مدعی نبوت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رقیب وحریف ہی نہیں بلکہ دشمن سمجھتے تھے۔اس صورت حال نے ہی تو آپ کو بے حال و بے چین کر دیا تھا۔ہر وقت انہیں یہی احساس دامن گیر رہتا کہ قادیانیت کا راستہ روکنے کے لیے کیا کیا ذرائع استعمال میں لائے جائیں کہ یہ سیلاب کفر والحاد ایک حد تک محدود ہو کے رہ جائے اور حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غیرت مند عاشق اور ایک وفادار غلام تھے اور ان کے عشق اور ان کی غلامی کا ہی تقاضا تھا کہ وہ ہر ممکن وسیلہ اختیار کر کے قادیانیت کے زہر کے لیے کوئی تریاق تلاش کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتے۔چنانچہ ان کے ہاں بھی اس سلسلے میں وہی بے چینی اور وہی اضطراب نظر آتا ہے جو مولانا محمد علی مونگری بانی ندوۃ العلماء اور حضرت انور شاہ کاشمیری کے ہاں رد قادیانیت کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں۔مجلس احرار اسلام کے ساتھ جو حضرت رائے پوری نے تعلق اور واسطہ اختیار کر رکھا تھا۔اس کی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ وہ بے چینی اور وہ اضطراب جو ان کے اپنے ہاں قادیانیت کے سلسلے میں تھا۔اسے مجلس احرار میں منتقل کر دیا جائے اور اس طرح یہ جنگ جو انفرادی سطح پر جاری ہے اسے جماعتی سطح پر تبدیل کر دیا جائے۔وہ یہ بات سمجھتے تھے کہ جماعت کا مقابلہ صرف جماعت ہی کر سکتی ہے۔اور تنظیم کا مقابلہ صرف تنظیم ہی کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔یہ ان کے خلوص ان کے اضطراب اور بے چینی کے صدق کی ایک مبین دلیل ہے کہ حضرت رائے پوریؒ کی وہ بے چینی واضطراب جو انہیں قادیانیت کے بارے میں تھی۔اسے مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں میں منتقل کرنے میں وہ سو فیصد کامیاب ہوئے۔احرار رہنماؤں میں دراصل ان کے ہی جذبے کی کارفرمائی تھی۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجلس احرار اسلام کے رہنما میں لے کر اس کے ہر رضا کار تک حضرت رائے

پوریؒ کا ہی عطا کردہ جذبہ کام کر رہا ہے جو اب تک قادیانیت کے محاسبے کے لیے سرگرم کار ہے اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو ہماری نظروں میں حضرت رائے پوریؒ کا مقام و مرتبہ بلند ہو جاتا ہے کہ انھوں نے مجلس احرار اسلام ہی کو اس قابل جانا جماعت پر شفقت فرماتے۔ احرار کو دل و جان سے چاہتے اور ہر محاذ اور ہر کام میں جو ردِ قادیانیت کے سلسلے میں مجلس احرار سرانجام دیتی اس کی آپ سرپرستی فرماتے تھے اور مجلس احرار اسلام کو توانا اور مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش بھی کرتے تاکہ مجلس احرار اسلام زیادہ مضبوط اور مؤثر انداز میں قادیانیت کا محاسبہ کر سکے۔ مرزائیت کے بارے میں ہمہ وقت متفکر رہنا ان کی مقتضائے طبیعت بن گئی تھی جب بھی کوئی مجلس احرار اسلام سے متعلقہ رضا کار یا پھر رہنما آپ کے پاس آ جاتا تو آپ سب کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے اس سے پوچھتے کہ قادیانیت کے بارے میں ملک کے اندر کیا ہو رہا ہے اگر کوئی احرار سے متعلقہ رہنما آتا تو اسے تحفظ ختم نبوت کے مشن کے لیے مالی امداد بھی مہیا کرتے اور تمام متعلقین جو اس وقت آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہوتے انھیں بھی متوجہ کرتے۔ مولانا محمد علی تحریر فرماتے ہیں۔

> ''ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک نوٹ نکال کر عطا فرمایا کہ ختم نبوت کی امداد میری طرف سے حاضرین کو توجہ دلائی، سب نے امداد کی مولانا فضل احمد نے دس روپے کا نوٹ نکال کر دیا فرمایا پانچ روپے رکھ لو میں پانچ روپے کا نوٹ واپس کرنے لگا تو حضرت نے فرمایا واپس کیوں لیتے ہو یہ بھی دے دو۔''
>
> (مکتوب بنام مؤلف کتاب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ)

آپ کا یہ خاص انداز اور طریقہ تھا کہ جن لوگوں نے قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لیے رات کی نیند اور دن کا چین ختم کر رکھا تھا، انہیں خاص طور پر نوازتے اور ان کے ساتھ محبت اور پیار کی انتہا کر دیتے تھے۔ ان کی یہ محبت اور یہ پیار رہنما کے دل میں ایک ایسا جذبہ اور جسم میں ایک ایسی طاقت پیدا کر دیتی تھی، جس سے دل و دماغ کی کیفیت ہی بدل جاتی تھی۔ مجلس احرار اسلام کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ جنونی لوگوں کی جماعت ہے۔ یہ جنون و عشق جو انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہے فقط اللہ تعالیٰ کا کرم اور حضرت رائے پوریؒ کی دعاؤں کا ہی صدقہ ہے کہ آج احرار رضا کار سے لے کر احرار رہنما تک بڑے دھڑلے سے یہ کہہ سکتا ہے:

تشکیلِ نو میں میری ہے میرے جنوں کا ہاتھ
میرا شکوہِ ذات ہے میرے ثبات میں

کسی محاذ پر ڈٹ جانا اور ڈٹے رہنا، اسی کو ثبات کہا جاتا ہے اور دیکھا جائے تو یہ ثبات تب پیدا ہوتا ہے جب مؤقف کی صداقت پر لازوال یقین ہو۔ مجلس احرار اسلام نے ردّ قادیانیت کا کام شروع کیا تو پھر اُسے ہر حال میں جاری بھی رکھا۔ اُس وقت بھی جب سب نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اُسے چھوڑ دیا۔ دراصل دیکھا جائے تو یہ ثبات ہی تو وہ اعزاز ہے جس پر بجا طور پر اللہ کا شکر اور ناز کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم احراری اس اعزازِ ثبات پر اللہ تعالیٰ کا ہر وقت شکر بھی

ادا کرتے رہتے ہیں اور ہمیں اس پر ناز بھی ہے کہ ہمارے قدم اس میدان میں آگے ہی بڑھے ہیں، پیچھے نہیں ہٹے:

ہم نے ہی ڈالی رسمِ جنوں ہم نے ہی جنوں اعجاز کیا　　ہر ایک قدم تھا کوہِ گراں جب ہم نے سفر آغاز کیا
ہم خوگر ہیں طوفانوں کے ہر پہر بسیرا ہے دنیا　　کیا خوب ہے ڈالی رِیت ہم نے کیسا یہ پیش انداز کیا
بخشی ہے جنوں کی تابانی ہاں رختِ بدن کو لیلیٰ کے　　یوں لَو پہ آتش کی ناچے یوں سوز کو ہم نے ساز کیا

مولانا انوری صاحب لکھتے ہیں:

''آخر عمر میں حضرت اقدس کو ردّ مرزائیت کی طرف بڑی توجہ ہوگئی تھی۔ مولوی محمد حیات صاحب (جنھیں قادیانیوں اور یہودیوں کی کتابیں ازبر تھیں) کو بلا کر مباحث سنتے اور مولانا لال حسین اختر کو بلوا بھیجتے تھے۔ مولانا ابراہیم سیالکوٹی کی ''شہادت القرآن'' کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دوبارہ اس کی طباعت کرانے کے متمنی تھے۔ آخر کار حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کی توجہ مبارک سے اس کی دوبارہ اشاعت ہوگئی اور علمی خزانہ ہاتھ آ گیا۔ علماء جو اِدھر سے اُدھر کے مسائل میں الجھے رہتے تھے۔ اس سے حضرت کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ ان مباحثوں میں حضرت نہیں پڑتے تھے بلکہ اہم کام ردّ قادیانیت کو دیتے تھے۔'' (مکتوب حضرت مولانا انوری بنام مؤلف حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، ابوالحسن علی ندوی)

کسی علاقے کے عالم دین سے ملتے تو اُس سے قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں خصوصی طور پر پوچھتے جس کے بعد اُس سے فرماتے کہ آپ ردّ قادیانیت کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔ اگر جواب نفی میں ملتا تو اُس پر اظہارِ ناراضی فرماتے اور اُسے تلقین فرماتے کہ ردّ قادیانیت کے مسئلہ کو دین کے دوسرے کاموں پر اوّلیت دو اور یہ تساہل و غفلت جو تم نے اس سلسلے میں اختیار کر لیا ہے، اسے چھوڑ دو۔

تحریک ختم نبوت کے دوران تحریک کو کامیابی سے ہمکنار دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے اپنے ہر ملنے والے کو تلقین و ترغیب کا سلسلہ آپ نے تحریک کے دوران جاری رکھا۔ کئی افراد نے آپ کی تلقین پر تحریک میں گرفتاری پیش کی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اس بات پر تیار کیا کہ وہ قادیانیت کے بارے میں عربی میں ایک کتاب تحریر کریں۔ چنانچہ یہ حضرت کی ہی رات دن کی تلقین و ترغیب کا نتیجہ تھا کہ چند ماہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے قادیانیت کے موضوع پر ایک اہم کتاب تحریر کر دی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری میں آپ کی اس خواہش کا محرک اُس کلوکیم (مذاکرہ اسلامی) کو قرار دیا ہے جو جنوری ۱۹۵۸ء میں لاہور میں پنجاب یونیورسٹی میں ہوا تھا۔ جس میں مشرقِ وسطیٰ کے بعض علماء نے قادیانیت کے بارے میں کچھ سوالات اٹھائے اور اس بات کا اظہار کیا کہ قادیانیت کے بارے میں عربی زبان میں ایک کتاب ضروری ہے۔ تاکہ عرب ممالک کے علماء اس سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ صوفی عبدالحمید کی کوٹھی میں صرف چند ماہ کے اندر عربی زبان میں کتاب مکمل کر لی گئی۔ جس کے بعد حضرت رائے پوری ہی کی

خواہش پر اس کا اردو ترجمہ کیا گیا اور ''قادیانیت'' کے نام سے بہت جلد ایک اور کتاب منصۂ شہود پر آ گئی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی خود تحریر کرتے ہیں کہ یہ کام مجھ جیسے فرد سے بہت ہی کم عرصہ یعنی چند ماہ میں کیسے مکمل ہوا جبکہ میں مزاجاً قادیانی کتب سے دانستہ ناآشنا تھا۔ وہ کہتے ہیں میرے دوست واحباب بھی اس پر حیران تھے کہ ایک ایسے شخص کے قلم سے یہ کتابیں کیسے تیار ہو گئیں جو اس موضوع کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہے۔

عربی کتاب ''القادیانی والقادیانیۃ'' شائع ہو کر مصر و شام کے علاوہ افریقہ کے اُن ممالک میں تقسیم ہوئی جہاں پر قادیانی کارستانی اپنے عروج پر تھی۔ مشرقِ وسطیٰ اور افریقی ممالک میں اس کتاب نے علماء کو قادیانیت سے متعارف کرایا۔ بعد میں جس کا اردو ترجمہ ''قادیانیت'' شائع ہوئی جو قادیانیت کے بارے میں ایک مفید کتاب کے طور پر اب تک اہل علم کے زیر مطالعہ چلی آ رہی ہے۔

ان تمام حالات کو قلمبند کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ردّ قادیانیت کے سلسلے میں بے پناہ خدمات سے نئی نسل کو متعارف کرایا جائے تا کہ وہ جان سکے کہ قادیانیت کس فتنۂ عظیم کا نام ہے اور اس کے ردّ اور اس کے تدارک کے لیے جو کچھ اُن سے بن پڑے کر گزریں۔ اس کے ساتھ نئی نسل اس بات پر بھی سوچے اور غور کرے کہ حضرت انور شاہ کاشمیریؒ اور حضرت عبدالقادر رائے پوری جیسی عظیم ہستیاں فقط مجلس احرار اسلام پر کیوں فریفتہ تھیں اور انھوں نے مجلس احرار اسلام کی سرپرستی اور معاونت میں ہی کیوں اپنے پورے وسائل کو مجلس احرار اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا؟ آخر میں انہی عظیم ہستیوں کے حوالے سے ایک شعر پر اپنے اس طویل مضمون کو ختم کرتا ہوں جن کا جذبۂ صادقہ اور اُجلا کردار ردّ قادیانیت کے سلسلے میں نئی نسل کے لیے نشانِ راہ بن چکا ہے:

مجھ کو جنوں و جذب کی سوغات دے گیا
گزرا تھا دل کی بستی سے اک کاروانِ شوق

مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ
میرے استاد، میرے شیخ، میرے محسن

پروفیسر اشفاق حسین منیرؔ (گورنمنٹ زمیندارہ کالج گجرات)

استادِ مکرم امام اہلِ سنت شیخ الحدیث والقرآن حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہٗ ۴،۵ مئی ۲۰۰۹ء کی درمیانی رات کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ خبر ہونے پر بہت صدمہ ہوا۔ بہر حال یہ ایک قانونِ قدرت ہے۔ قادرِ مطلق جلّ شانہٗ کا بنایا ہوا ہے۔ کون دم مار سکتا ہے۔ جو بھی آیا جانے کے لیے ہی آیا ہے۔

کہتے ہیں عباسی خلیفہ ہارون الرشید بڑا علم دوست اور حاضر جواب آدمی تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا بادشاہ سلامت کبھی آپ بھی کسی موقع پر لاجواب ہوئے ہیں۔ کہنے لگا ایک دفعہ ہم لوگ کسی سفر میں ایک جنگل کے قریب بستی سے گزرے تو میں نے دیکھا ایک بڑھیا بڑے درد سے زار و قطار رو رہی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی بڑا ترس آیا۔ میں سواری سے اتر کر اس بڑھیا کے قریب گیا لوگوں سے پوچھا اس بڑھیا کو کیا صدمہ ہے۔ لوگوں نے بتایا اس کا اکلوتا نوجوان بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ اس کے فراق میں رو رہی ہے۔ مجھے بھی بہت افسوس ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر بڑھیا سے کہا، اماں جان میں ہارون الرشید اس ملک کا بادشاہ ہوں۔ آپ صبر کریں آج کے بعد میں آپ کا بیٹا اور آپ میری ماں۔ چلیے میرے ساتھ۔ میرا گمان تھا بڑھیا کو تسلی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے اب وہ خوش ہو گی اور رونا چھوڑ دے گی۔ لیکن میں حیران پریشان ہو گیا کہ اس نے پہلے سے بھی زیادہ درد اور حسرت سے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ اماں جان اب رونے والی کیا بات رہ گئی آپ کو عام بیٹے کی جگہ بادشاہ بیٹا مل گیا۔ کہنے لگی اسی حسرت پہ تو رونا ہے جس بیٹے کے مرنے پر بادشاہ جیسا بیٹا ملا اگر وہ زندہ رہتا تو اور کیا کچھ ملتا۔ ہارون الرشید کہنے لگا بڑھیا کی اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دوستو! جس استاد اور شیخ کی موت نے، اس کے جنازے کے مناظر اور مظاہر نے، جس کے موت کی چارپائی پر پڑے ہوئے متبسم اور نورانی چہرے نے اس کے شاگردوں، مریدوں اور تمام اہلِ سنت دیوبندیوں کے سر فخر سے سرفراز کر دیے ہوں اگر وہ سرفراز زندہ رہتا تو اور کیا کیا سرفرازیاں ملتیں۔ سچ فرمایا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ''**بیننا و بینھم الجنائز**'' ہمارا اور اہلِ باطل کا فرق ہمارے جنازے بھی کر دیں گے۔

اٹھ کر پہلو سے دلربا اب جدا ہو گیا ہے
کیا غضب ہے کیا قیامت ہے کیا ہو گیا ہے

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر تو ہم عنفوان شباب سے سنتے آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے مزید فضل فرمایا۔ شیخ کی شاگردی بھی نصیب ہوئی۔۱۹۹۵ء میں دورہ حدیث سے فراغت پر حضرت نے جو دستار اپنے دست مبارک سے باندھی تھی آج تک میرے پاس محفوظ ہے۔اس پگڑی کے باندھنے میں میرے شیخ مسلم شریف مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خاں سواتی، حضرت مولانا زاہد الراشدی، حضرت مولانا مفتی عیسیٰ خاں، حضرت مولانا عبدالقدوس قارن اور مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم حضرت مولانا محمد فیاض خاں سواتی جیسے عظیم اساتذہ کے مبارک ہاتھوں کی بھی شرکت ہے۔ جو میرے لیے سرمایہ افتخار ہی نہیں سرمایہ نجات بھی ہے۔ یہ پگڑی میں صرف عید کی نماز پڑھانے کیلیے باندھتا ہوں۔خواہش ہے کہ میرا کفن بھی یہی پگڑی ہو۔گکھڑ میں حضرت شیخ کی رہائش گاہ چونکہ گجرات کے قریب ہی تھی اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت کی بہت ساری یادیں اور باتیں میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ کرتا ہوں۔

۱۔ جب ہم دورہ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ نے فرمایا بھئی پڑھنا پڑھانا نہ چھوڑنا چاہے ایک ہی طالب علم ہو۔ پڑھائے بغیر علم زندہ نہیں رہتا۔

۲۔ ایک دفعہ عصر کے بعد حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھا کہ چارپائی پر قبلہ رو بخاری شریف کھولے بیٹھے ہیں۔صبح سبق پڑھانے کی تیار فرما رہے ہیں حالانکہ اس وقت تک میں جانتا تھا حضرت کو بخاری شریف پڑھانے اور سمجھانے کے لیے مطالعہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میری حیرت کو حضرت فوراً سمجھ گئے۔ میری تربیت کے لیے فرمایا مولوی صاحب میں نے آج تک بغیر تیاری کے کبھی نہیں پڑھایا چاہے سبق کتنا ہی آسان ہو۔سبحان اللہ! کیا احساس ہے ذمہ داری کا۔

۳۔ دوران سبق ایک دفعہ فرمایا جب میں مدرسہ میں ''ہدایہ شریف'' پڑھایا کرتا تھا تو ایک غیر مقلد آکر قریب بیٹھ جاتا۔ میرا سبق پڑھانا غور سے سنتا رہتا ایک دفعہ بڑا متاثر ہو کر کہنے لگا ''مولوی صاحب آپ اتنے بڑے عالم ہو کر بھی مقلد ہیں؟'' میں نے فوراً کہا مجھے بھی یہی حیرت ہے کہ تم جاہل ہو کر بھی غیر مقلد ہو۔

۴۔ ایک دفعہ میرے ایک دوست شوکت حیات صاحب آف سرگودھا جو اس وقت برن ہال کیڈٹ کالج ایبٹ آباد میں پڑھاتے تھے۔ بہت اچھا دینی اور علمی ذوق رکھتے تھے۔مغرب کی نماز کے قریب ایبٹ آباد سے گجرات میرے یہاں تشریف لائے۔نماز وغیرہ سے فراغت پر فرمانے لگے مجھے اجازت دیں۔ میں گکھڑ رات گزاروں گا۔ فجر کے بعد حضرت شیخ کا درس قرآن سننا ہے۔ میں اسی نیت سے ایبٹ آباد سے آیا ہوں۔ میں نے کہا رات میرے پاس قیام فرمالیں صبح اکٹھے چلیں گے۔ ہم صبح فجر سے بہت پہلے روانہ ہوئے۔ فجر کی نماز باجماعت گکھڑ میں پڑھی۔ درس کی شمولیت اور حضرت شیخ کی زیارت دونوں سعادتیں نصیب ہوگئیں۔لیکن میرا دوست بہت افسردہ ہوا جب اس نے دیکھا کہ دور دور سے آنے والے لوگ تو نماز کے بعد بھی انتہائی طلب اور اشتیاق سے درس میں شامل ہو رہے ہیں جبکہ مقامی لوگ سلام پھیرتے ہی واپسی کی جلدی کر رہے

ہیں۔ کہنے لگے ان لوگوں کو حضرت شیخ کی قدر و منزلت کا پتہ ہی نہیں۔ جن کو پتہ تھا وہ تو ایبٹ آباد سے ہی نہیں بلکہ جنوبی افریقہ سے بھی آکر فیضیاب ہوتے رہے۔

کتنا سچا خواب ہے حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اور کتنی سچی اس کی تعبیر ہے کہ علم کے سمندر کی مچھلی تالاب جتنے گھڑے میں کیسے سما گئی۔

۵۔ حضرت شیخ کے مزاج میں استغناء بھی اللہ تعالیٰ نے خوب بھرا تھا۔ جس مسجد میں حضرت جمعہ پڑھاتے اور درس قرآن دیتے تھے اس کی مزید توسیع و تزئین کے صلاح مشورے جن دنوں ہو رہے تھے راقم کا وہاں جانا ہوا۔ اراکین انتظامیہ کمیٹی نے مجھ سے کہا مسجد کی جگہ تنگ ہوگئی ہے جمعہ کی نماز میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ مسجد کے ملحق گورنمنٹ پرائمری سکول کی چھوٹی سی عمارت ہے۔ سکول کی حالت بھی انتہائی خراب تھی۔ اس وقت محترم جناب محمد رفیق تارڑ صاحب پاکستان کے صدر تھے۔ جو کہ حضرت کے بہت عقیدت منداور مرید بھی تھے۔ مسجد کی انتظامی کمیٹی چاہتی تھی کہ سکول کی جگہ مسجد میں شامل کر دی جائے اور سکول کسی دوسری جگہ شفٹ کر دیا جائے۔ اراکین کمیٹی نے راقم سے کہا آپ حضرت شیخ سے صدر صاحب کو کہلوائیں۔ صدر صاحب شیخ کی خدمت میں آتے رہتے تھے۔ صدر صاحب کے لیے یہ معمولی کام تھا۔ انتظامیہ کمیٹی یہ بھی چاہتی تھی کہ جو ضابطے کی کاروائی ہے وہ بھی بیٹھک پوری کر لیں۔ راقم نے خوشی خوشی جا کر بڑے اصرار سے حضرت کی خدمت میں سارا پروگرام عرض کر دیا۔ منوانے کی کوشش بھی کی حضرت نے تمام باتیں سن کر ارشاد فرمایا:

''پروفیسر صاحب! میں صدر صاحب سے کبھی نہیں کہوں گا۔ صدر صاحب سے تو میرے اپنے اختیارات زیادہ ہیں۔ ہمیں ان صدروں وزیروں سے کیا لینا''۔ سبحان اللہ کیا شان قلندری ہے۔ حق ہے میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا:

اَلْغِنیُّ مَنْ غَنِیِ النَّفَس (غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو)　　یہ ایک جھلک تھی اسلاف دیو بند کی۔

لوگ تو آج بھی بڑی بڑی عبائیں اور قبائیں سجائے نام نہاد شیخ اور عالم دین بن کر صدر نہیں معمولی وزیر یا کسی مشیر کے اشارہ ابرو پر بھاگم بھاگ دست بستہ درِاقتدار پر حاضر ہوتے ہیں۔ مشائخ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ حاکمان وقت کے سپاسنامے پڑھتے ہیں۔ ان کی رضا جوئی کے لیے اہل حق پر کفر اور دہشت گردی کے فتوے لگاتے ہیں۔ مراد 'بطن' پاتے ہیں۔ اپنے اسلاف کی فرنگی کو تقویت دینے والی تاریخ دہراتے ہیں۔ مزاج اسلام پر بدنما داغ بن کر پھر خائب اور خاسر مر جاتے ہیں۔

الحمد للہ! ہمارے شیخ مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی حیات تو ایسی کہ صلحائے زمانہ رشک کریں۔ حاکمان وقت بھی حاضری کے خواستگار ہوں۔ علمی رسوخ ایسا کہ علماء اہل حق حضرت کی تصنیفات کو تحقیقات کہیں، تمام اہل فتنہ اور اہل باطل کی سرکوبی کے لیے موثر ترین ہتھیار کہیں اور متلاشیان حق کے لیے مجرب ترین شفا بخش علاج تسلیم کریں۔ موت ایسی کہ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ آخری دیدار سے بوجہ کثرت مجمع محرومی پر اشکبار ہوں۔ یہاں تک کہ کچھ علماء آخری دیدار کے

شوق و اشتیاق میں گاڑیاں دوڑاتے راستے میں حادثہ کا شکار ہو کر اس جہاں میں پہنچ گئے جہاں حضرت شیخ پہنچے۔ ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں میاں تم سلامت رہو۔ سبقت لے گئے ہو۔ ہم بھی ان شاء اللہ پہنچنے والے ہیں۔

ڈھونڈتے پھرتے رہو گے بستیاں در بستیاں
روز کب پیدا ہوا کرتی ہیں ایسی ہستیاں

۶۔ حضرت شیخ کا تقویٰ بھی مثالی تھا۔ ایک دفعہ میرے اصرار پر حضرت ہمارے گاؤں کی مسجد صدیق اکبرؓ، کالرہ خاصہ میں تشریف لائے۔ عشاء کی نماز پڑھائی۔ مختصر لیکن جامع بیان فرمایا۔ واپسی کی جلدی تھی، گاڑی مسجد کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی ایک ساتھی نے چپکے سے سیٹ کے پیچھے عام سے برتن میں سویٹ ڈش گھر سے بنوا کر رکھ دی۔ کافی دنوں کے بعد راقم جب گکھڑ حاضر ہوا تو فرمانے لگے۔ مولوی صاحب وہ تمہارا حلوہ تو ہم نے کھا لیا تھا کہ ہم سمجھ گئے کہ یہ ہمارے لیے ہی ہے۔ لیکن برتن کا کیا کرنا ہے۔ وہ تو ہماری مِلک نہیں۔ سبحان اللہ! کیا احتیاط ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑی بڑی احتیاط کرتے تھے۔

داستان غم طویل ہوتی جاری ہے۔ میری جان پہچان حضرت شیخ کے ساتھ ۱۹۸۰ء سے پہلے کی ہے۔ آدھی صدی کا قصہ ہے دو چار دن کی بات نہیں۔ یادیں بہت ہیں خوف طوالت مانع ہے۔ ختم کرتا ہوں۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہمارے حضرت شیخ کی معنوی اور روحانی اولاد کی گنتی تو کسی کے بس کا روگ نہیں۔ حقیقی اولاد بھی ماشاء اللہ سب کے سب عالم اور حافظ ہیں کیا بیٹے اور کیا بیٹیاں۔ حضرت کی مسند بخاری پر مسند نشین حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے علم کا تو ایک زمانہ معترف ہے ہی، حضرت مولانا عبدالقدوس قارن صاحب بھی اپنے والد محترم کی تحریر، تقریر اور تدریس کی امانت سنبھالے حق امانت کماحقہٗ ادا کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر بھی حضرت شیخ کی مسلکی پختگی اور رسوخ فی الحنفیت کی زندہ یادگار ہیں۔ حضرت مولانا قاری حماد صاحب الزہراوی گکھڑ میں حضرت کے درس قرآن اور خطبہ جمعہ کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ کی خصوصی یادگار تو مدرسہ نصرۃ العلوم ہے۔ مدرسہ کے ناظم مولانا ریاض صاحب اور مہتمم حضرت مولانا محمد فیاض خان صاحب حضرت شیخ الحدیث کے بھتیجے اور حضرت کے برادر صغیر مفسر قرآن، فلسفہ ولی اللہی کے عارف حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ مولانا محمد فیاض خان سواتی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ بیک وقت مدرسہ کے مہتمم بھی ہیں۔ مجلّہ نصرۃ العلوم کے مدیر بھی ہیں۔ خود صاحبِ تصنیف اور تحریر بھی ہیں۔ حضرات شیخین کے مسلک اور علمی ورثہ کے وارث اور امین بھی ہیں۔ مزید یہ کہ غضب کے ذہین اور متین بھی ہیں۔ ہمارے حضرات شیخین کی تمام باقیات بیشک صالحات ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی نصیب فرمائے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار، ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان

شیخ راحیل احمدؒ کے آخری قیمتی لمحات

سہیل باوا (ختم نبوت اکیڈمی لندن)

۱۵ مئی ۲۰۰۹ جمعۃ المبارک کی صبح لندن کے وقت کے مطابق ۹ بجے حسب معمول دفتر میں موجود اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ احقر کے فون پر گھنٹی بجی فون اٹھایا تو دوسری طرف شیخ راحیل صاحبؒ کے داماد علی صاحب تھے۔ دل دھڑ کا، علی صاحب فرمانے لگے کہ شیخ صاحب آج ہم سے جدا ہوگئے اور روتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور فرمایا آپ شیخ صاحبؒ کے تمام متعلقین اور ختم نبوت کے تمام علماء کو اطلاع کر دیں۔ احقر نے فوری حضرت والد صاحب مدظلہ کو اطلاع دی۔ والد صاحب نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور فرمایا کہ آپ تجہیز و تکفین کے لیے ختم نبوت سینٹر بلجیم حضرت حاجی عبدالحمید صاحب سے رابطہ کریں۔ احقر نے سب سے پہلے شیخ راحیل احمد صاحبؒ کے گھر فون کر کے ان کے صاحبزادہ سہیل راحیل احمد اور شیخ صاحبؒ کے داماد محمد نوید اور جاوید اقبال سے تعزیت کی اور میں نے عرض کیا کہ شیخ راحیلؒ نے قادیانیت سے توبہ تائب اور اسلام میں داخل ہونے کے لیے ۲۲ راگست ۲۰۰۳ جمعۃ المبارک کے دن کا انتخاب فضیلت کے باعث کیا۔ اس کے بدلے میں انعام کے طور پر اللہ تعالی نے بھی شیخؒ صاحب کے انتقال کا دن جمعۃ المبارک مقرر کیا۔ یہ بڑی ہی اعزاز کی بات ہے۔ جمعۃ المبارک کا دن ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اور جس مسلمان کو ہو جائے وہ بڑا خوش نصیب ہوتا ہے۔ احقر نے سابق قادیانی مظفر احمد مظفر اور عبدالباسط اور لندن میں مقیم شاہد کمال، پاکستان میں سید محمد کفیل بخاری صاحب، عبداللطیف خالد چیمہ صاحب، متین خالد صاحب اور دیگر متعلقین کو بھی اطلاع کر دی۔ ان سب حضرات نے احقر سے تعزیت کی اور فرمایا کہ اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر تو سب ہی کو جانا ہے مگر شیخ راحیل احمدؒ کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر کرنا مشکل نظر آتا ہے، اور دنیا بھر کے ختم نبوت کے کارکنان اور انٹرنیٹ کے ساتھیوں نے بھی فون پر تعزیت کرتے ہوئے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا، اور ردقادیانیت کے سلسلہ میں شیخ راحیل احمدؒ کی پیش بہا خدمات کو سراہا اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ہم خود ایک دوسرے کی تعزیت کے مستحق ہیں۔ اس لیے کہ یہ اجتماعی صدمہ ہے اور عظیم دینی صدمہ ہے، مگر اس موقع پر میں حضرت شیخ راحیل احمدؒ کے بہت قریبی دوست سابق قادیانی جرمنی میں مقیم جناب منیر احمد شاہ صاحب کو سب سے زیادہ تعزیت کا مستحق سمجھتا ہوں۔ منیر احمد شاہ صاحب کے ساتھ شیخ راحیل احمدؒ کا بھائیوں والا معاملہ تھا۔ اللہ تعالی ان کو اور ہم سب کو صبر عطاء فرمائیں۔ ابھی ہی چند ہفتوں قبل خطیب برطانیہ ختم نبوت اکیڈمی لندن مرکز کے مخلص اور بزرگ حضرت مولانا

عمران جہانگیری کا مانچسٹر میں انتقال ہوا۔ حضرت مولانا عمران جہانگیریؒ ہر کسی سے خوش خلقی ملتے یہ ان کی عادت تھی۔ حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اس کے بعد ایک اور خبر آئی کہ حضرت مولنا خبیبؒ بھی رخصت ہوگئے۔ ابھی یہ زخم تازہ ہی تھے کہ ایک اور خبر نے ہمارے دل کو چھلنی کر دیا۔ ۵/مئی ۲۰۰۹ کی علی الصبح ۲ بجے امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ امام اہل سنت کی نماز جنازہ حضرت مولنا زاہدالراشدی صاحب نے پڑھائی جس میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی، ہر دل، دل گرفتہ اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ یہ جنازہ پاکستان کی تاریخ کے بڑے جنازوں میں سے ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کی دینی خدمات قبول فرمائے آمین، آہ نہایت افسوس ہے کہ ہم ان سب کی خدمات کو بالائے طاق رکھ کر دوسری راہ کو گامزن ہونے لگے...... اصحاب قلم اٹھتے جا رہے ہیں اور کاروان اہل علم رواں دواں ہیں اپنی منزل مقصود کی طرف...... اس غم کے موقع پر چند اصحاب قلم اپنے اکابر کی یاد کو تازہ کر رہے ہیں اور انہی کی طرح قلم کو تھامے ہوئے تھے کہ ایسے میں ایک اور اہل قلم بھی اٹھ گئے! جو اہل یورپ کی جان، داعی راہ ہدیت، ختم نبوت کے سپہ سالار مجاہد ختم نبوت، ختم نبوت اکیڈمی کے روح رواں، انٹرنیٹ پر آنے والے حضرات کی دلوں کی دھڑکن شیخ رحیل احمدؒ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ بہر کیف موت تو برحق ہے۔ اس میں کسی کو کوئی شک نہیں۔ ہر متنفس اور ہر ذی روح نے بالآخر موت کی گھاٹی سے گزرنا ہے، جو آیا ہے جانے کے لیے آیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہر ایک کے جانے کا اثر یکساں نہیں ہوتا۔ شیخ سعدیؒ نے اسے اپنے رنگ میں یوں بیان کیا ہے کہ

یادداری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بدند وتو گریاں
آن چناں ذی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں بوند وتو خنداں

ترجمہ: اے انسان جب تو پیدا ہوا تھا تو تو رو رہا تھا اور تیرے گھر والے بہت خوش تھے کہ خدا نے بیٹا دیا ہے...... تو اب اس طرح زندگی گزار کہ جب تو دنیا سے جانے لگے تو تو خوش اور ساری دنیا والے تیری موت پر آنسو بہا رہے ہوں۔

راقم نے شیخ راحیل احمدؒ کو پہلی بار ۲۰۰۰ء میں انٹرنیٹ پر قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہوئے سنا، لیکن کبھی رابطہ نہ ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے رابطے کا سبب اس طرح بنا دیا کہ راقم کو سابق قادیانی مظفر احمد مظفر صاحب نے ۲۲ اگست ۲۰۰۳ صبح دفتر ختم نبوت اکیڈمی میں لندن جرمنی سے فون کر کے کہا کہ آپ کو اچھی خبر سنانا چاہتا ہوں۔ قادیانی جماعت کے ایک عہدے دار پیدائشی قادیانی، ایسا شخص جو کہ سچائی کے خاطر کسی بھی نقصان کی پروانہ کرنے والے، اپنے بیوی بچوں سمیت جمعۃ المبارک کو قبول اسلام اور قادیانیت سے برأت کا اعلان کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ راقم نے مظفر احمد مظفر صاحب سے کہا کہ گر آپ شیخ راحیل احمد صاحبؒ کا فون نمبر دے سکتے ہیں تو عنایت فرمائیں۔ فون نمبر ملتے ہی یکدم شیخ راحیل احمدؒ سے رابطہ کیا۔ یہ شیخ راحیل احمد صاحبؒ سے احقر کا پہلا رابطہ تھا۔ راقم نے اپنا تعارف کرایا، بہت ہی میٹھے لہجہ میں بات کی، بہت ہی مختصر بات ہوئی۔ راقم نے اپنی طرف سے والد صاحب اور ختم نبوت کی جماعت کے رفقاء کی طرف سے مبارک باد پیش کی۔

شیخ راحیلؒ ۵۵ سال تک قادیانی بھی رہے اور قادیانیت کی تبلیغ بھی کرتے رہے، پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کی ظلمت سے نکال کر اسلام کی روشنی بخشی۔ شیخ راحیل احمدؒ کے گھر کے کل دس افراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح غلامی میں داخل ہوئے۔ اسی روز مرزا مسرور کے نام ایک خط کے ذریعہ شیخ راحیل احمدؒ نے اسلام قبول کرنے اور قادیانی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے کی اطلاع کر دی، اور میڈیا کے ذریعہ بھی اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر جاری کر دی۔ اس خبر نے قادیانی ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا اور اس کے اثرات قادیانیوں نے بڑی دور تک محسوس کیے۔ شیخ راحیل احمدؒ فتنہ قادیانیت کے لیے جرمنی میں ہی نہیں بلکہ پورے یورپ کے قادیانیوں کے لیے سدِ سکندری ثابت ہوئے۔ جو کام تنہا اللہ تعالیٰ نے شیخ راحیل احمدؒ سے ٦ سالوں میں فتنہ قادیانیت اور قادیانیوں کو دعوت اسلام کے لیے لیا، اتنا کام ایک مستقل جماعت کے کام کرنے کا تھا۔ جرمنی میں قادیانیوں گروہ کی حرکات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور قادیانی گروہ کے عزائم و عقائد اور جماعتی چندہ سسٹم کو بے نقاب کر کے قادیانیوں کے چھکے چھڑا دیئے، اور قادیانیوں کو دعوت ایمان دینے میں بہت محنت اور کوشش کی وہ قابل رشک ہے۔ شیخ صاحبؒ بارہا یہ فرماتے اب میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس اور ختم نبوت کی حفاظت ہے، اور ان مجبور قادیانیوں کو اسلام کی دعوت دینی ہے جو قادیانی جماعت کو کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں چھوڑ پا رہے ہیں۔

شیخ صاحبؒ راقم کو بار بار ایک بات کی طرف توجہ دلاتے تھے کہ آپ ختم نبوت کے کارکنان سے گزارش کریں کہ وہ قادیانیوں کو اسلام کی دعوت بڑی ہی نرمی اور پیار و محبت کے ساتھ دیں کیونکہ وہ بہت مجبور ہیں۔ وہ صرف پڑھائے نہیں بلکہ سدھائے ہوئے ہیں۔ ان کی برین واشنگ ہوئی ہے آپ ان کو ڈائیلاگ سے، حکمت سے دعوت دیں، قادیانیوں میں سے کافی لوگوں کو سمجھایا جا سکتا ہے قادیانی جماعت میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، جن پر مرزا غلام قادیانی اور قادیانی جماعت کی حقیقت واضح ہو چکی ہے لیکن ان کے لیے ان کا سماجی اور نفسیاتی جال توڑنا اتنا آسان نہیں ہے، کئی قادیانی جال کو توڑنا چاہتے ہیں لیکن ان کو صحیح گائیڈ کرنے والا نہیں ملتا۔ اس جال کو توڑنے میں آپ کے کارکنان کے اخلاق، حکمت اور حسن سلوک سے ان قادیانیوں کو آپ حضرات اور یہ کارکنان مدد دے سکتے ہیں۔ شیخ صاحبؒ کا دعوت دینے ایک خاص انداز تھا۔ انٹرنیٹ پر آنے والے حضرات نے شیخ راحیل احمد صاحبؒ کو خوب سنا ہے۔ کئی کئی گھنٹوں تک قادیانیوں سے محو گفتگو رہتے تھے۔ شیخ صاحبؒ کا مشفقانہ تکلم، شریں گفتگو انہی کی طرف کھینچتی تھی، اور طبیعت کی شگفتگی اور طرز تکلم سے متاثر ہو کر کئی قادیانی حضرات نے کئی ملکوں سے خفیہ رابطہ رکھا ہوا تھا اور اپنے اشکالات فون کے ذریعہ اور انٹرنیٹ پر اور خود حاضر ہو کر کرتے اور تسلی بخش جوابات لے کر کئی قادیانیوں نے قادیانیت پر لعنت بھیج کر شیخ صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ شیخ صاحب کی خدمات کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے۔ سفیر ختم نبوت فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور چنیوٹی صاحبؒ کو شیخ صاحبؒ کے قبول اسلام کی خبر لندن دفتر ختم نبوت اکیڈمی میں راقم نے دی۔ حضرت مولانا منظور چنیوٹی صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور راقم کو فرمایا میرا شیخ صاحبؒ سے فوری رابطہ کرائیں۔ احقر نے شیخ صاحبؒ سے فون پر حضرت

مولانا منظور چنیوٹی صاحبؒ کا رابطہ کرایا، حضرتؒ نے شیخ صاحبؒ کو مبارک باد دی اور چناب نگر ختم نبوت اور فتح مباہلہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ شیخ صاحبؒ کانفرنس میں شرکت تو نہ کر سکے لیکن کانفرنس کے شرکاء کے نام ایک پیغام ارسال فرمایا جس کو حضرت مولانا منظور چنیوٹی صاحبؒ نے پڑھا جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ ایک قادیانی خاندان نے حضرت مولانا منظور چنیوٹی صاحبؒ کے ہاتھ پر قادیانیت پر لعنت بھیج کر اسلام قبول کر لیا۔

شیخ صاحبؒ تحفظ ختم نبوت اور قادیانیوں کو دعوت اسلام دینے کے سلسلے میں دو دفعہ ختم نبوت اکیڈمی لندن مرکز کی دعوت پر ایک ہفتہ کے دورے پر برطانیہ تشریف لائے تو احقر کو یہ پہلی ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ پورے ملک میں شیخ صاحبؒ کو زبردست استقبالیہ دیا گیا۔ شیخ صاحبؒ کی برطانیہ آمد پر ختم نبوت اکیڈمی لندن مرکز سمیت کئی مقامات پر سوال وجواب پر مشتمل خصوصی نشستیں منعقد کی گئی۔ جس میں قادیانیوں نے بھی شیخ صاحبؒ سے ملاقات کی۔ شیخ صاحبؒ نہایت بے تکلف انسان تھے۔ دفتر ختم نبوت اکیڈمی کا کتب خانہ میں لاکھوں کتابیں اور خصوصاً ۱۹۷۴ء قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے والی ۱۳ دنوں کی کارروائی کی اصل کا پیاں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ آپ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ کے لیے مجھے جرمنی سے لندن دفتر ختم نبوت منتقل ہونا پڑے گا۔ شیخ صاحبؒ نے اسلام قبول کرنے کے بعد ردِ قادیانیت کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا جس کے بعد کثرت مطالعہ کا مزاج ہی بن گیا تھا۔ شیخ صاحبؒ کے داماد علی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جب دیکھو اباجی کے ہاتھ میں کتاب ہے اور مطالعہ ہو رہا ہے۔ وفات سے قبل قلب کے عارضہ کے باوجود رات کے تین تین بجے تک مطالعہ میں منہمک دیکھا گیا۔

احقر کو وفات سے ایک ہفتہ قبل شیخ صاحب نے فون کر کے فرمایا کہ احتساب قادیانیت ۲۳ جلدیں میں نے مطالعہ کر لی ہیں۔ براہ کرم احتساب قادیانیت کی جلد نمبر ۲۴ اور ۲۵ علی صاحب کے ساتھ روانہ فرمائیں۔ شیخ صاحب کے پاس اپنے کتب خانے میں ۹ ہزار کتابیں اپنی ذاتی موجود تھی جو کہ شیخ صاحب کی کل کائنات تھی۔ شیخ صاحبؒ کی زندگی کی ہر ہر ساعت قادیانیوں کو اسلام کی دعوت کے لیے وقف تھی۔ اللہ تعالی نے شیخ صاحبؒ کو قلم پر مکمل دسترس کی خوبی بھی ودیعت فرمائی تھی۔ اپنے شائستہ قلم سے تردید مرزائیت پر سب سے پہلے احقر کی فرمائش پر مرحوم کے شہکار قلم سے مرزا مسرور کے نام تین کھلے خط تحریر فرمائے، جس کو پوری دنیا کے اخبارات ورسائل نے شائع کیا اور ختم نبوت اکیڈمی لندن مرکز اور مجلس احرار پاکستان نے کئی لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے دنیا بھر میں تقسیم کئے۔ ان خطوط میں مرزا مسرور سمیت پوری قادیانی جماعت کو دعوت ایمان دی گئی ہے، مگر مرزا مسرور سمیت قادیانی جماعت میں کوئی فرد ایسا نہیں جو ان خطوط کا جواب دے سکے؟ شیخ صاحبؒ کے شوق تحریر نے انگڑائی لی۔ درجنوں بے مثال ولاجواب مضامین تحریر فرما کر قادیانی ہتھکنڈوں کا پردہ چاک کیا۔ ان مضامین میں، مرزا صاحب کا عالم برزخ سے انٹرویو، مرزاجی اور اسلامی عبادات، آئینہ جوان کو دکھایا تو، مرزا صاحب کی گل افشانیاں، چھوڑ دو تم، قادیانی خلیفہ مرزا مسرور اور لعنت اللہ علی الکاذبین، عذر گناہ بدتر از گناہ، عرض میری

فیصلہ آپ کا، ہفوات مرزا صاحب، دائم المرض مرزا صاحب، دجال اور مرزا صاحب ہائے اس ستمگر کو کیا کہیں؟ نبی یا منافق، دیکھو کیا کہتی ہے تصویر تمہاری؟، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختصر انداز میں مرزائیت کا مکرہ چہرہ بے نقاب کرنے کے لیے مضامین لکھے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ شیخ صاحبؒ کے وفات سے ایک ہفتہ قبل بیماری کے ایام میں احقر کی فون پر شیخ صاحبؒ کا مضمون (مرزا جی اور اسلامی عبادات) کے سلسلے میں گفتگو ہوئی تو راقم نے عرض کیا شیخ صاحب آپ کو سخت آرام کی ضرورت ہے۔ آپ لکھائی کا کام بند کر دیں۔ شیخ صاحبؒ فرمانے لگے کہ پتا نہیں میری زندگی کی کتنی سانسیں باقی ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میری آخری سانس بھی عقیدۂ ختم نبوت کے دفاع میں لگے تاکہ میری پچھلی زندگی کا کفارہ بن سکے۔ واقعی احقر کو بڑا ہی اس وقت رشک آیا جب بیماری کی تکلیف اور شدت کے باوجود بات کرنے میں کسی قسم کی گھبراہٹ اور کرب و بے چینی کا اظہار نہیں تھا۔ بیماری کے ایام میں جب فون پر گفتگو ہوتی، ایک مرتبہ بھی ان کے منہ سے ہائے سننے میں نہیں آیا بلکہ یہ فرماتے اگرچہ میں سخت بیمار ہوں لیکن الحمدللہ میرا ضمیر اور میرا دل مطمئن ہے۔ آخری وقت میں قلبی اطمینان کی یہ دولت خاص اللہ کے مقبول بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ دولت نصیب فرمائے آمین۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ راحیل احمد صاحبؒ نے ایمان اور اسلام والی زندگی کے آخری لمحات اور آخری سانسوں کو قیمتی بنایا اور شیخ صاحبؒ نے اس کو ثابت کر کے دکھایا۔ گھر سے ہسپتال منتقلی کے باوجود بذریعہ ای میل ہسپتال سے اپنا مضمون ارسال فرمایا۔ جی چاہتا تھا کہ حضرت شیخ راحیل احمدؒ کے وجود سے ہم لوگ اور بھی مستفید ہوتے، مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ، شیخ صاحبؒ کا نماز جنازہ عالمی مبلغ ختم نبوت حضرت عبدالرحمٰن باوا صاحب دامت برکاتہم نے پڑھایا اور جرمنی کے شہر ایلز درف کے مسلم قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازہ میں جرمنی، بلجیم، لندن سے حاجی عبدالحمید صاحب، مفتی عمیر صاحب، قاری یوسف صاحب اور سابق قادیانی منیر احمد شاہ صاحب، افتخار احمد صاحب، اور تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ حق تعالیٰ شانہ شیخ راحیل احمد صاحبؒ کو آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور اپنے نیک و مخلص بندوں کے ساتھ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

5 جولائی 2009ء
اتوار بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465

بابا جی حکیم حافظ عبدالرشید چیمہ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ تنویر احمد

دنیا میں ایسی ہستیاں بھی ہیں جن سے مخلوق خدا نے فیض حاصل کیا اور انکی زندگی کے بعد ان کی یاد میں آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ ایسے لوگ مخلوق خدا کی خدمت کو اپنی عبادت کا حصہ سمجھتے ہیں اور دیگر عبادات کی طرح یہ فریضہ بھی بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ ایسی ہی ہستیوں میں ایک شخصیت بابا جی حکیم حافظ عبدالرشید چیمہ رحمتہ اللہ علیہ کی ہے جنھیں اس دنیا سے رخصت ہوئے 2 سال ہو چکے ہیں لیکن لوگ آج بھی انھیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور جب پتا چلتا ہے کہ وہ تو چیچہ وطنی چھوڑ کر جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں آرام فرما رہے ہیں تو لوگ اس طرح کے تعزیتی الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان سے متعلق ایسے حالات بیان کرتے ہیں کہ غیروں کے ساتھ ساتھ ان کے صاحبزادگان اور دیگر اقرباء بھی حیران ہو جاتے ہیں۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی عظیم روحانی تربیت گاہ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف سے منسلک تھے اور قطب الاقطاب حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ میں انکساری اور سادگی اس قدر تھی کہ عام آدمی کو پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ کتنی بڑی ہستی ہے لیکن جنھوں نے اس گوہرِ نایاب کو پہچانا وہ آج بھی آپ کے ذکر سے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ میرا تعلق حکیم حافظ عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ سے تقریباً 18 سال سے ہے کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ چیمہ کے ساتھ میرا تعلق خدمتِ خلق کی ایک رفاہی تنظیم سے ہوا، جہاں سے تعلق اس قدر بڑھا کہ ہم اپنے عزیزوں کی طرح ہو گئے اور اس طرح بابا جی حافظ عبدالرشید سے بھی قربت ہوگئی اور بابا جی رحمتہ اللہ علیہ بھی مجھے اپنے عزیزوں کی طرح پیار و محبت سے ملتے۔ میں جتنا بابا جی کے قریب ہوتا گیا۔ اتنا ہی مجھے دینی شعور و آگہی کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت اور روحانی مقام و مرتبہ مجھ پر عیاں ہوتا گیا۔ میں آپ کی مجلسوں میں بھی بیٹھا آپ کے ساتھ سفر بھی کیا، کئی شب و روز آپ کی معیت میں گزارے۔

جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام 2001ء میں پشاور میں ہونے والی دیو بند کانفرنس میں آپ کی معیت میں شرکت کی۔ عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر متعدد بار آپ کے ساتھ گیا۔ آپ کے ساتھ خانقاہ موسیٰ زئی شریف حاضری دی۔ خانقاہ سراجیہ تو متعدد بار آپ کے ساتھ حاضری نصیب ہوئی اور آپ کی دعا و برکت سے پیرو مرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ دورانِ سفر بابا جی رحمتہ اللہ علیہ ہم سفر ساتھیوں سے درجہ

بدرجہ اوران کے مزاج کے مطابق گفتگو اور مزاح بھی فرماتے اور ہم محسوس کرتے کہ ہم کسی دوست سے محوِ گفتگو ہیں۔ آپ درحقیقت فنافی الشیخ تھے اور ہم نے دیکھا کہ جب بھی آپ کے شیخ کا ذکر آتا آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی کیوں کہ آپ کو حضرت پیر و مرشد سے خصوصی لگاؤ تھا اور حضرت پیر و مرشد کو بھی آپ سے خاص تعلق تھا۔ آپ نے ساری زندگی جمعیت علماء اسلام اور عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت سے وابستگی رکھی اور اس وابستگی کو ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ آپ نے ساری زندگی خدمتِ خلق میں گزار دی۔ دینی مصروفیات سے فراغت کے بعد سارا دن اپنے مطب ''سراجیہ دواخانہ'' پر مریضوں کی خدمت اور وہاں بھی مریضوں سے معمولی رقم لینا آپ کا معمول تھا۔ آپ فرمایا کرتے کہ مجھ میں زیادہ پیسے لینے کی ہمت نہیں ہے۔

اپریل 2003ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس کے باعث آپ کی بائیں جانب مکمل طور پر مفلوج ہو گئی لیکن اس حالت میں بھی خدمتِ خلق جاری رہی۔ روزانہ مطب پر تشریف لاتے اور گھر میں بھی آنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ خانقاہ سراجیہ بھی حاضری دی اور اسی حالت میں سفر حرمین شریفین بھی کیا کہ آپ کو دو آدمی اُٹھا کر چلتے تھے۔ میری دوہری خوش قسمتی ہے کہ میں نے حرمین شریفین کا پہلا سفر حضرت باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی معیت میں کیا اور ساتھ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو بھی عمرہ کروایا۔ اس سفر میں باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی معیت میں آپ کی اہلیہ محترمہ، آپ کی صاحبزادی، آپ کے چھوٹے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ چیمہ، حافظ حبیب اللہ کی خالہ، ہمارے جماعتی دوست معاویہ رضوان اور ان کی اہلیہ، ماجد چیمہ اور چیچہ وطنی سے ایک دوست حبیب اللہ شامل تھے۔ ہم 24 مئی 2007ء کو لاہور سے کراچی اور 25 مئی کو کراچی سے جدہ پہنچے۔ جدہ میں ہمارے میزبان حافظ محمد رفیق ائر پورٹ پہنچ گئے تھے۔ اسی روز جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ ادائیگی عمرہ کے لیے کچھ دیر آرام کے بعد جائیں گے لیکن باباجی رحمتہ اللہ علیہ نے پہلے نرم لہجے میں فرمایا کہ ابھی چلیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد جلال میں آ کر فرمانے لگے کہ تم نے نہیں جانا تو مجھے حرم شریف چھوڑ آؤ میں جانوں اور میرا خدا جانے۔ تم فارغ ہو۔ اس طرح ہم نے بھی فوراً عمرہ ادا کر لیا۔ تین روز مکہ مکرمہ میں رہے اس کے بعد مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ مدینہ منورہ میں آپ نے فرمایا کہ یہاں ادب و احترام انتہائی ضروری ہے کہ کوئی بھی جملہ اور حرکت گستاخی کا موجب بن سکتی ہے۔ مکہ مکرمہ اور بالخصوص مدینہ منورہ میں آپ کے ملنے والوں نے آپ کی وجہ سے ہماری بھی بھرپور خدمت کی۔ ہم آپ کی معیت میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جاتے۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری ہوتی تو آپ کی کیفیت کا عجیب سماں ہوتا جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جبل احد گئے، مسجد قباء گئے، مسجد قبلتین اور دیگر کئی مقامات کی زیارت بھی کی۔ مکان پر واپس آئے تو فرمانے لگے میں دیکھ رہا تھا کہ حبیب اللہ نے تمہیں اچھی طرح زیارتیں نہیں کروائیں۔ اگر میں تندرست ہوتا تو سب کو پیدل چل کر مدینہ منورہ دکھاتا۔

31 مئی جمعرات کی شب راقم الحروف اور حافظ حبیب اللہ چیمہ حافظ محمد امجد کے ساتھ باہر چلے گئے تو باباجی

پریشان ہوگئے کہ کہیں گم نہ ہو جائیں ۔موبائل پر رابطہ ہوا۔ہم نے کہا کہ باباجی آپ سو جائیں ہم جلدی آ جائیں گے تو فرمانے لگے کہ مجھے حبیب اللہ کے بغیر نیند نہیں آتی ۔آپ کو اپنی تمام اولاد سے محبت تھی لیکن حبیب اللہ کے ساتھ الگ ہی معاملہ تھا۔یہ رات آپ کی زندگی کی آخری رات تھی ۔ساری رات آپ بلند آواز سے تلاوتِ قرآنِ پاک اور ذکر اذکار کرتے رہے ۔یکم جون جمعۃ المبارک کو صبح لیٹے ہوئے تھے کہ سات بجے کے قریب بغیر کسی تکلیف کے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔حافظ حبیب اللہ ناشتہ لینے گئے ہوئے تھے اور ہم باباجی کے پاس لیٹے ہوئے تھے۔حبیب اللہ نے واپس آکر دیکھا تو باباجی اس جہاں میں نہیں تھے۔ہم سے پوچھا کہ اباجی نے کچھ کہا یا کوئی آواز آئی تو ہم نے بتایا کہ آپ دونوں باپ بیٹا صبح سے جو گفتگو کر رہے تھے۔اُس کے بعد ہم نے سمجھا کہ باباجی سو رہے ہیں۔آپ نے آخری وقت کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔انتقال سے دو روز قبل اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ یہاں مرنا چاہتی ہو تو دعا کر لینا یہاں دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔دوسری بات یہ کہی کہ اگر اپنے والدین کو کوئی پیغام دینا ہو تو بتا دینا۔جمعۃ المبارک کا دن قانونی کارروائی میں گزر گیا۔ہفتہ کی شب شعبہ تجہیز و تکفین میں غسل دیا گیا جس کے بعد ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے امیر قافلہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کو کفن پہنایا اور نمازِ فجر کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نمازِ جنازہ کے بعد جنت البقیع کے اُس قدیم حصہ میں اپنے ہاتھوں سے دفن کیا، جہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور مبارک ہیں۔

اپریل 2009ء دو سال بعد راقم الحروف اور حافظ حبیب اللہ چیمہ اور ان کی والدہ محترمہ دوبارہ حرمین شریفین حاضر ہوئے تو باباجی رحمتہ اللہ علیہ کی یاد نے تڑپا دیا۔جنت البقیع میں آپ کی قبر پر حاضری ہوئی تو وہ اُسی طرح موجود تھی، جس طرح دو سال پہلے ہم چھوڑ آئے تھے۔ہم نے باباجی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں کھڑے ہو کر سامنے جو دیکھا تو گنبد خضراء بالکل سامنے نظر آ رہا تھا۔یہ ہے عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ،تحریکِ ختمِ نبوت کے کام کی برکت اور اپنے شیخ سے محبت کا نتیجہ کہ گنبد خضراء کے سائے میں جگہ ملی۔آپ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ، تین صاحبزادے، ایک صاحبزادی اور ایک بھائی بھی موجود ہیں۔آپ کے بڑے صاحبزادے حاجی عبداللطیف خالد چیمہ برصغیر کی معروف جماعت مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل اور تحریکِ ختمِ نبوت کے سرگرم رہنما ہیں اور تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں پاکستان سمیت بیرون ممالک میں بھی ان کے کام، محنت اور لگن کو سراہا جاتا ہے۔دوسرے صاحبزادے جاوید اقبال چیمہ چیچہ وطنی کی ایک سیاسی، سماجی شخصیت ہیں۔آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ چیمہ آپ کے جانشین، آپ کے دینی، روحانی اور طبی علوم کے وارث ہیں۔آپ کی صاحبزادی چیچہ وطنی کے مشہور معالج ڈاکٹر اعظم چیمہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے چھوٹے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ چیمہ کو خانقاہ رشیدیہ بستی سراجیہ میں جائے امامت پر کھڑا کر دیا تھا۔

اس ضمن میں ایک واقعہ پیش آیا کہ 2003ء میں جب آپ بیمار ہوئے آپ کے دوست احباب نے عرض کیا کہ اب عزیزم حبیب اللہ کو اجازت فرما دیں اور اپنا جانشین مقرر فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتا بلکہ میرے شیخ

مناسب سمجھیں گے تو وہی فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد خانقاہ سراجیہ حاضری کے موقع پر پیرومرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ نے حافظ حبیب اللہ کو فرمایا کہ تم اپنے والد صاحب کے کام کو سنبھالو۔ آنے والے احباب اور متعلقین کو ذکر اذکار کی تلقین کیا کرو، جس پر حافظ حبیب اللہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی اجازت ہے جس پر حضرت پیرومرشد نے فرمایا کہ نہ صرف اجازت بلکہ میں تمہیں حکماً کہتا ہوں کہ تمام معاملات سنبھالو۔ خانقاہ شریف سے واپس آکر حافظ حبیب اللہ نے اپنے والد محترم کی خدمت میں ساری صورتحال عرض کی جس پر باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد اللہ کہا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد باباجی نے اپنے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ کو معمولات میں سے ایک مخصوص عمل سے روک دیا اور فرمایا کہ باقی معمولات کرو لیکن اس کے لیے میں خود حضرت خواجہ صاحب کی زبان مبارک سے سن کر اجازت دوں گا۔

نومبر 2006ء میں باباجی خانقاہ سراجیہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ تقریباً 20 متعلقین بھی تھے۔ اس موقع پر باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ حبیب اللہ کو پاس بٹھا کر حضرت پیرومرشد سے پوچھا کہ حضرت آپ نے برخوردار حبیب اللہ کو اپنے معمولات کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے ہاں میں جواب فرمایا تو پھر باباجی نے عرض کی کہ فلاں کام کی بھی اجازت فرما دیں تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس کو تمام معمولات کی اجازت دی ہوئی ہے۔ اس موقع پر حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ کے صاحبزادے صاحبزادہ نجیب احمد اور کئی دیگر افراد بھی موجود تھے۔ یہ ایک ولی کامل کی علامت ہے کہ دینی معاملات میں اپنی اولاد کے بارے میں بھی اتنی احتیاط کرتے ہیں۔ یہ بات بہت ہی اہم ہے کہ باباجی حافظ عبدالرشید نے پہلی بیعت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ اور خانقاہ سراجیہ کے فیض یافتہ حضرت حاجی جان محمد رحمۃ اللہ علیہ (باگڑ سرگانہ) سے کی تھی۔ انھوں نے باباجی حافظ عبدالرشید کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ ان کے انتقال 1962ء کے بعد آپ نے اپنا روحانی تعلق اپنے دادا مرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ سے جوڑ لیا اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا تھا بلکہ جو بھی آتا آپ اسے حضرت پیرومرشد سے ہی بیعت کرواتے۔

علماء حق کا ترجمان
المیزان
ناشران و تاجرانِ کتب
دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ
دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7122981-7212762

برطانیہ میں اجتماعات ختم نبوت ۔ چند معروضات

مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ (مکہ مکرمہ)

اپریل 1984ء میں قادیانی سربراہ مرزا طاہر کے چناب نگر سے فرار اور لندن منتقلی کے بعد قادیانیت کے رد وتعاقب اور احتساب وابطال کی خاطر لندن اور دیگر برطانوی شہروں میں ختم نبوت کے عنوان سے عوامی اجتماعات کے انعقاد کا سلسلہ شروع ہوا۔ 1985ء میں (بتاریخ 4 اگست) ویمبلے ہال لندن میں پہلی سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ المشائخ مخدوم العلماء برکۃ العصر مولانا خواجہ خان محمد دام ظلہم العالیہ کی سرپرستی اور اکابرین ختم نبوت حضرت الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی حفظہ اللہ (تب: نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت برائے بیرون پاکستان، وحال: امیر انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ)، سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ، مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ، خطیب اسلام حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر حضرات کی سربراہی میں اس کامیاب ترین کانفرنس میں یورپ و برطانیہ کے ہزاروں فرزندان توحید شریک ہوئے۔ برطانیہ میں قادیانیت کے عوامی تعاقب کے سلسلے کی یہ ایک کامیاب ترین ابتدا تھی۔ پھر اسی طرح 1986 میں ویمبلے ہال ہی میں مذکورہ بالا اکابر کی سربراہی میں (بتاریخ 27 جولائی) ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اسی موقع پر مرزا طاہر کے دست راست حسن عودہ مسلمان ہوئے۔ اس کانفرنس میں بھی برطانیہ اور یورپ کے ہر علاقے سے علماء وزعماء اور عوام کی بھرپور نمائندگی دیکھنے میں آئی۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کیلیے الشیخ عبدالحفیظ مکی حفظہ اللہ، مجاہد ختم نبوت جناب عبدالرحمٰن باوا حفظہ اللہ، مولانا ضیاء القاسمی رحمہ اللہ، اور مولانا اللہ وسایا زید مجدہ نے کانفرنس سے پہلے برطانیہ کے طول وعرض میں مشترکہ دورے کیے اور عوامی بیداری اور ذہن سازی سے ایک خاص فضاء پیدا کی۔ چنانچہ اس مبارک اور مرتکز محنت کی قبولیت کے آثار کانفرنس کی کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ والحمدللہ علی ذلک۔ یہی حال 1987ء کی سالانہ کانفرنس (بتاریخ 20 ستمبر) کا رہا۔ اس میں مجلس احرار اسلام کے قائد، ابن امیر شریعت، فاتح ربوہ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے اور حضرت کا تاریخی خطاب ہوا۔ (۱)

یہ ایک سرسری اور اجمالی سا تذکرہ ہے برطانیہ میں قادیانی ہیڈکوارٹرز کی منتقلی کے فوراً بعد تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے محاذ پر سرگرم قیادت کی طرف سے کی گئی ابتدائی برسوں کی جوابی محنت کا۔ اس محنت میں دشمن کے بروقت تعاقب، بھرپور تردید اور بلا انقطاع تسلسل ومداومت کی شان پیدا کرنے میں ختم نبوت کے مقدس مشن کے سبھی وابستگان وخدام کی بے لوث اور بے بہا خدمات کارفرما رہی ہیں۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ، مجلس احرار

اسلام اور ختم نبوت اکیڈمی لندن بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

لندن کے ویمبلے ہال میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر نظامت ومیزبانی سالانہ ختم نبوت کانفرنس 1985 سے 2006 تک مسلسل منعقد ہوتی رہی ہے۔اسی طرح 1985 ہی سے اولاً ختم نبوت مشن کے عنوان سے اور پھر 1995 سے انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے عنوان سے ایک غیر روایتی اور مختلف انداز کی محنت بھی الحمد للہ جاری و ساری ہے۔ دعوتی مزاج، تعلیمی منہج اور کام کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ترتیب کے ساتھ۔ختم نبوت موومنٹ نے پورے برطانیہ کی اول، آخر اور وسط کے تین حصوں میں کی گئی تقسیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے تینوں حصوں میں ختم نبوت کانفرنسوں کے انعقاد کی طرح ڈالی۔ برطانیہ کے اول' لندن میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس اور سیمینار کا سلسلہ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ نے کئی سال تک جاری رکھا۔ یہ کانفرنس قادیانیوں کی کانفرنس کے روز ہی ہوتی تھی۔ برطانیہ کے وسط' برمنگھم (مڈلین) میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ دونوں جماعتیں کانفرنسیں کراتی تھیں۔پھر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے اصرار پر موومنٹ نے وحدت واشتراک عمل کے خالصتاً دینی مفاد اور مصلحت کی خاطر اس کانفرنس کے انعقاد سے دست برداری اختیار کر لی۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دوست تب سے اس کانفرنس کو اکیلے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کانفرنس روز اول سے قادیانی کانفرنس کے ایک ہفتہ بعد منعقد ہوتی آئی ہے تاکہ قادیانیوں کے ہفوات و خرافات کا حقیقی ومعنوی تعاقب ہوسکے۔ برطانیہ کے اخیر' یعنی اسکاٹ لینڈ میں ختم نبوت کانفرنس لندن اور برمنگھم کے کانفرنسوں سے پہلے کی جاتی رہی ہے تاکہ یہ لندن اور برمنگھم کی کانفرنسوں کی تقویت کا باعث ہو۔

پہلے ویمبلے ہال لندن اور پھر برمنگھم کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس شروع دن سے قادیانیوں کے سالانہ جلسے کے بعد منعقد کی جاتی رہی ہے۔اس التزام کی مصلحت یقیناً اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے مطلوب ومقصود قادیانیت کا تعاقب ہے۔ امسال (2009 میں) قادیانیوں کا سالانہ جلسہ 24-25-26 جولائی کو الٹن (ہمپشائر) میں منعقد ہو رہا ہے۔جبکہ اسکاٹ لینڈ اور برمنگھم کی ختم نبوت کانفرنسز بالترتیب 4 اور 12 جولائی کو منعقد ہو رہی ہیں۔اگر یہ اطلاع درست ہے تو یہ ترتیب بظاہر ''تعاقب'' کی بجائے ''تقدم'' کی مظہر معلوم ہوتی ہے۔ترتیب سابق کی مصلحت یہ تھی کہ ختم نبوت کانفرنسوں میں قادیانی ٹولے کے نئے نئے شکوک وشبہات کا جواب دیا جاتا تھا اور تازہ تراشیدہ مغالطات والزامات کی حقیقت واضح کی جاتی تھی۔ ترتیب نو کی مصلحت احقر راقم السطور سمجھنے سے قاصر ہے۔وجوب سے پہلے ادائیگی کا تصور کہاں تک درست ہے۔اس کے بارے میں مزید کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔

راقم السطور کچھ گذارشات نہایت درمندی اور دل سوزی' اخلاص و دیانتداری اور لجاجت ونیازمندی سے ختم نبوت کے مقدس مشن اور عظیم الشان کاز سے وابستہ سب ہی بڑوں کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔اس امید کے ساتھ کہ فکر و تامل کی سزاوار گردانی جائیں گی۔

اولاً: برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں آباد ختم نبوت کے کام سے وابستہ مخلصین وکارکنان اکثر وبیشتر اس بات پر پریشان ہیں کہ پاکستان وہندوستان وغیرہ سے برطانیہ جا کر کام کرنے والے حضرات کی علمی اور فکری

استعدادیں اور صلاحیتیں یورپ کے ماحول میں کام کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتیں۔ قرآنی ارشاد ''**وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبين لهم**'' اس ضمن میں ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیے۔

ثانیاً: یہ ضرور سوچا جائے کہ مغرب کے جس ماحول اور جس قوم میں ختم نبوت کاز کے لیے ہمیں کام کرنا ہے کیا ان ملکوں میں پیدا ہونے اور پروان چڑھنے والی نئی نسلوں کی آگاہی کے لیے یہی کافی ہے کہ ہم موقع بے موقع کانفرنسوں کو حرفِ آخر سمجھ لیں۔

ثالثاً: لندن میں انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے دفتر میں تشویش وخلل پیدا کرنے والے بعض عناصر کی وجہ سے موومنٹ کی لندن کانفرنس التواء میں پڑ گئی۔ موومنٹ کی قیادت کے بیرون برطانیہ ہونے کے سبب تشویش پیدا کرنیوالے عناصر نے پریشانیاں پیدا کیں۔ ایسے میں بعض ''مہربانوں'' اور ''وفا شعاروں'' نے نہ صرف خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا بلکہ بعض نے تو تشویش پیدا کرنیوالے عناصر کو اُکسانے میں بھرپور کردار ادا کیا اور آج تک کر رہے ہیں۔ ان عناصر کی مادی پشت پناہی ہمارا غالب گمان ہے کہ قادیانی کر رہے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ گویا تحفظ ختم نبوت یا تعاقب قادیانیت کے بجائے خود کام کرنے والوں ہی کے رد اور تعاقب میں ہمتیں صرف ہو رہی ہیں۔ إلا من رحم ربی۔

رابعاً: دنیا کے بیس سے زائد ممالک میں امریکہ و برطانیہ سمیت' قادیانی سالانہ جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی دنیا (سائبر ورلڈ) ان کی دسیسہ کاریوں اور فریب آفرینیوں سے بھری پڑی ہے۔ ٹی وی چینلز پر دین کے نام پر دام ہم رنگ زمین قسم کے ارتدادی پھندے الگ سے شب و روز سادہ لوح اور ناپختہ ذہنوں کا شکار کر رہے ہیں۔ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ امت کے سبھی فکر مند حضرات اپنی ذمہ داریاں محسوس فرمائیں اور باہمی تعامل وتعاون کی راہیں بھی کشادہ فرمائیں۔

یاد رکھیں کہ ختم نبوت کاز اور ختم نبوت کا تحفظ امت کی امانت ہے' کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس امانت کو امانت داری سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ہم یہ امانت امت کے خواص اور ذی استعداد لوگوں کے سپرد بھی کر سکیں اور عامۃ المسلمین تک بھی کماحقہ پہنچا سکیں۔ سردست یہ چند معروضات عرض کر دی ہیں۔ باتیں اور بھی بہت سی رہتی ہیں۔ یار زندہ صحبت باقی

---

(۱) اسی سفر میں' حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کیمبرج یونیورسٹی ہال میں منعقدہ مرزائیوں کے جلسے میں تشریف لے گئے تھے۔ یہ ''مکالمہ بین المذاہب'' قسم کا ایک بہت بڑا سیمینار تھا جس میں مسلمانوں کی ''نمائندگی'' مرزائی کر رہے تھے۔ اور اسی مقصد کی خاطر انھوں نے یہ تمام شو (show) ترتیب دیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے تن تنہا یہ جلسہ الٹ دیا اور قادیانی شو ناکام بنا دیا۔ آپ کی خطیبانہ للکار اور دلوں کو مسخر کرنے والی تلاوت نے اس روز ردقادیانیت کی تاریخ کا ایک نیا باب رقم کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس زمانے میں وقفے وقفے سے برطانیہ کے تین دورے کئے۔ پہلا 10/نومبر 1985ء تا 11/دسمبر 1985ء، دوسرا 15/ستمبر 1987ء تا 23/دسمبر 1987ء۔ اور تیسرا 5/دسمبر 1989ء تا 12/فروری 1990ء۔ (ادارہ)

مغربی افریقہ میں مرزائیوں کی خفیہ تبلیغی سرگرمیاں اور ہماری ذمہ داری

محمد کاشف (ملتان)

جون ۲۰۰۸ء میں بتوفیق الٰہی مغربی افریقہ کے دوممالک نائیجیریا اور بینن (Banen) کے تبلیغی سفر کا موقع ملا۔ ان دونوں ممالک میں مسلمانوں کا تناسب ۷۰ فیصد ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں۔ دو ماہ نائیجیریا اور ایک ماہ بینن میں کام کیا۔ ان ممالک میں مرزائیوں کے خفیہ تبلیغی سرگرمیاں دیکھ کر دل بہت متفکر ہوا۔ نائیجیریا رقبہ کے لحاظ سے پاکستان سے کافی بڑا ملک ہے۔ ۷۰ فیصد مسلمان ہیں اور باقی عیسائی اور بت پرست ہیں۔ یہاں کی حکومت پر بھی تقریباً عیسائیوں کا قبضہ ہے۔ عیسائی مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ۲۰، ۲۵ سال پہلے عیسائی مسلمانوں پر جھاگ کی طرح غالب آگئے اور مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں مغلوب ہوگئے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے اپنا تشخص بچانا مشکل ہوگیا۔ اس موقع پر عیسائیوں کی سرپرستی میں اسلامی تحریک کے عنوان پر ایک تحریک پورے ملک میں اٹھی کہ مسلمان کیسے اپنا دینی تشخص بچائیں۔ چند ہی دن میں یہ تحریک خوب زور پکڑ گئی۔ اس تحریک کے روح رواں قادیانی تھے۔ یہاں کے مسلمانوں کی قسمت اچھی تھی کہ وہاں کے علماء کو بروقت اس کا ادراک ہوگیا۔ علماء کی پر جوش مخالفت کی وجہ سے یہ تحریک دب گئی۔ لیکن قادیانیوں کی اپنی خفیہ تبلیغی سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں۔ بعض بعض شہروں میں اور زیادہ د یہاتوں میں سادہ لوح مسلمانوں پر اپنے زہریلے اثرات ڈالنے اور بعض جگہ اپنے مراکز بنانے میں کامیاب ہوگئے۔

افسوس، صد افسوس، مرزائیت کا حقیقی تعارف یہاں کے علماء کو بھی بہت کم ہے۔ اکثر مسلمان ان کو کافر بھی نہیں سمجھتے۔ البتہ ایک عجیب وغریب فرقہ ضرور سمجھتے تھے۔ ۱۰، ۲۰ سالوں سے تبلیغ کے کام نے نائیجیریا میں اپنی جڑیں خوب مضبوط کی ہیں۔ جس سے قادیانیت کی سرگرمیوں پر بھی کاری ضرب پڑی ہے۔ البتہ قادیانیوں کے خلاف لٹریچر یہاں نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ سے مسلمان ان سے اپنا دفاع کرنے پر پوری طرح قادر نہیں ہیں۔

بینن کی صورتحال:

بینن، نائیجیریا کا پڑوسی ملک ہے۔ بینن چھوٹا سا غریب ملک ہے۔ یہاں کے لوگوں کے ذہن سادہ کاغذ کی طرح ہیں۔ نائیجیریا میں زیادہ وقت جنوب میں اور بڑے شہروں میں گزرا تھا۔ لہٰذا بینن میں ہم نے شمال کی طرف جانے کو زیادہ ترجیح دی۔ شمالی حصہ تقریباً سارے کا سارا بہت بڑے گھنے جنگل پر مشتمل ہے۔ یہاں کی ۹۰ فیصد آبادی مسلمان ہے اور ۱۰ فیصد عیسائی ہیں۔ ان جنگلی مسلمانوں کی محبت اور شوقِ ملاقات میں ہم نے ۹۰۰ کلومیٹر کا بائی روڈ سفر کیا۔ آخری ۱۰۰

کلومیٹر گھنٹے جنگل کا بیچوں بیچ سفر تھا۔ سفر کے اختتام پر ہم ایسے شہر میں پہنچے جہاں آج تک مسلمانوں کا کوئی اندرونی یا بیرونی وفد یا جماعت نہیں پہنچی۔ اس شہر کا نام سیگبونا (Segbona) تھا۔ ساڑھے چار ہزار کی آبادی تھی۔ ۹۰ فیصد مسلمان تھے۔ یہ شہر گھنے جنگل کے درمیان آباد تھا۔ افسوس، صدافسوس، اس شہر میں بھی دوسال پہلے قادیانیوں کی ایک تبلیغی جماعت پہنچ چکی تھی۔ اور اس شہر کے بعض نزدیکی دیہاتوں پر اپنے زہریلے اثرات ڈال چکی تھی۔ شہر کے مسلمان فی الحال ان کے فتنہ کی لپیٹ میں آنے سے بچے ہوئے تھے۔ اس شہر میں چند علماء تھے جن کو قادیانیت کے بارے میں برائے نام کچھ معلومات تھیں۔ یہاں کے دیندار اور سمجھدار مسلمان قادیانیوں سے بہت خوف زدہ تھے۔ حتیٰ کہ ابتداء میں ہمیں بھی انھوں نے قادیانی سمجھا کیونکہ مسلمانوں کی تبلیغی جماعت یہاں کبھی نہیں آئی تھی۔ خیر تھوڑی سی محنت کے بعد ہم اپنا صحیح تعارف کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ پھر کیا تھا ایک دن کے اندر ایک ہزار مسلمان ہمارے استقبال وملاقات کے لیے آئے۔ ایک ہفتہ کے قیام کے دوران ۱۵۰ آدمی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ۳ دن کے لیے نکلے۔ عوام سے خوب دینی مذاکرے ہوئے۔ لوگوں میں دینی بیداری آئی۔ یہاں غربت حد سے زیادہ ہے۔ نہایت سادہ لوح مسلمان ہیں۔ حق یا باطل والوں میں سے جو بھی ان کے پاس سب سے پہلے پہنچ جائے، ان کی انگلی پکڑ کر ان کے ساتھ ہیں۔ اگلے شہروں میں بھی ہمارے استقبال کی یہی فضا رہی۔ لیکن اکثر شہروں میں قادیانی مسلمان کا لیبل لگا کر پیسہ کی بنیاد پر خفیہ تبلیغ میں مصروف ہیں۔ ان دور دراز کے علاقوں کے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ بچانے کی اشد ضرورت ہے۔ الحمدللہ ہمارے اس سفر میں ۱۴۰ افراد کا دوبارہ اسلام کی طرف رجوع ہوا۔ علماء سے اس موضوع پر بھی خوب مذاکرے ہوئے۔ یہاں بھی علماء کے پاس اس موضوع پر لٹریچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ علماء بہت طلب کے ساتھ ہم سے سوالات پوچھتے تھے۔ ان کی سادہ ذہنی اور طلب شدید کے باوجود حقیقی رہنمائی اور لٹریچر مہیا نہ ہونے پر دل بہت کڑھتا تھا۔ اس موقع پر اہل علم وار بابِ فکر کی خدمت میں دوگزارشات کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

(۱) قادیانیت کے خلاف پاک وہند کے علماء کی محنت وقربانیوں کو تا قیامت کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے عظیم ترین فتنہ کے خلاف جیسے جیسے جبال العلم اور روحانی شخصیات سے کام لیا۔ ان کے نام محتاجِ تعارف نہیں۔ لیکن اس فتنہ کے خلاف ان حضرات کے اتنے گرانقدر علمی سرمایہ کا اکثر حصہ اردو زبان میں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ علمی سرمایہ تاحال حقیقی معنوں میں اس فتنہ کے خلاف عالمگیر تریاق کی حیثیت اختیار نہیں کرسکا۔ لہٰذا اگر اہل علم وار بابِ فکر حضرات اس کی فکر فرمائیں اور علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ، اہل افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس تمام علمی سرمایہ کو عربی اور انگریزی میں ترجمہ کرکے انٹرنیٹ پر ختم نبوت کے نام پر ایک مستقل ویب سائٹ قائم کرکے یہ سب لٹریچر انٹرنیٹ پر بھی منتقل کردیں تو ہر ملک کے علماء وعوام تک نہایت کم سرمایہ خرچ کرکے یہ لٹریچر پہنچایا جاسکتا ہے۔

فرب مبلغ اوعیٰ لہٗ من سامع (الحدیث)

(۲) حدیث مبارکہ ہے لیس الخبر کالمعاینۃ ۔ نیز مسلمانوں کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ افریقی جنگلات جیسے

دور دراز اور بے آباد علاقوں میں بسا ہوا ہے اور ایسے علاقوں میں وافر ذرائع ابلاغ اور جدید سہولیات بھی دستیاب نہیں ہیں۔ یہ مسلمان نہایت سادہ لوح اور بھولے ہیں۔ علماء اور دینی مسائل سے محرومی کی وجہ سے اہلِ باطل کے لیے ان کو قائل وگھائل کرنا بہت آسان ہے۔ اہلِ باطل بھی اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان علاقوں پر اہلِ باطل کی خصوصی تبلیغی یلغار جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ تبلیغی حضرات اس قسم کے علاقوں کی بہت فکر فرما رہے ہیں اور بیرون ممالک بھیجی جانے والی جماعتوں کی اوّلین ترجیح ہر ملک کے اس قسم کے علاقے ہی ہیں اور ایسے علاقوں کے مسلمانوں کی دینی بیداری کے لیے مسلسل جماعتوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تھوڑا بہت وقت لگا لینے والا مسلمان کم از کم ایمانی حملوں سے دفاع پر قادر ہو جاتا ہے اور اس کے گھر میں ایک دو عالم حافظ پیدا ہونے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ لیکن بیرون ممالک میں کام کی جتنی ضرورت ہے۔ اس کے لحاظ سے ابھی محنت کرنے والوں کی بہت کمی ہے۔ لہٰذا اگر علمائے کرام اجتماعی وانفرادی بیانات، عمومی ونجی مجالس میں عوام کو اس موضوع پر بھی تھوڑی سی ترغیب دے دیا کریں تو وہ علاقے بھی ان شاء اللہ ہمارے قابو میں آجائیں گے۔ جہاں ذرائع ابلاغ نہیں پہنچ سکتے اور وہاں کے مسلمان نہایت تنگ دست اور دینی وایمانی بیداری ورہنمائی کے سخت محتاج ہیں اور وہ مسلمان نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسَبُ (الحدیث) کے مصداق تقریباً ۹۸ فیصد ان پڑھ ہیں جو علمی سرمایہ سے استفادہ پر بھی قادر نہیں اور اگر بیرون ممالک جانے والی ہر جماعت کے ساتھ ایک عالم بھی ہو تو ان دور دراز علاقوں کے علماء کی بھی ان تمام پہلوؤں کی طرف خصوصی توجہ دلائی جاسکتی ہے اور ان کو مستقل طور پر عوام کی دینی اور فکری تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے اور اس طرح باطل کے اس تابوت میں آخری کیل ٹھونکی جاسکتی ہے۔

قارئین توجہ فرمائیں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کر دی گئی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کر کے اگلے سال کی تجدید کرا لیں۔ اکثر قارئین کا زرتعاون سالانہ دسمبر ۲۰۰۸ء میں ختم ہو چکا تھا۔ کئی قارئین نے سالانہ چندہ ارسال کر کے نئے سال کی تجدید کرالی ہے۔ جن کا چندہ وصول نہیں ہوا، اس کے باوجود جولائی ۲۰۰۹ء کا شمارہ انھیں بھی ارسال کیا جا رہا ہے۔ براہِ کرم جولائی میں ہی اپنا سالانہ زرِتعاون ۲۰۰ روپے ارسال فرما کر نئے سال کے لیے تجدید کرا لیں۔ بصورت دیگر آئندہ شمارے کے لیے معذرت! (سرکولیشن منیجر)

''نقیبِ ختم نبوت'' کی ترسیل، شکایات اور دیگر معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0300-7345095

''موجِ کوثر'' اور قادیانیت نوازی

اعتبار ساجد

آج میں اپنے بک شیلف کا جائزہ لے رہا تھا تو پرانی کتابوں کی ورق گردانی کے دوران اندازہ ہوا کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں تحریک پاکستان کے فکری، مذہبی، سماجی اور قومی پس منظر کے حوالے سے ملک میں جن مصنفین کی کتب کو خاص پزیرائی حاصل ہوئی اُن میں شیخ محمد اکرام کی سلسلہ کوثر کے مستند متن و مواد والی کتب خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس ضمن میں تین کتب شائع ہوئیں جن میں ''موجِ کوثر'' تیسری اور آخری کتاب ہے۔ اس کتاب میں انیسویں صدی کے آغاز سے قیامِ پاکستان تک کی اہم مذہبی، فکری، سماجی، تعلیمی اور قدرے سیاسی تحریکوں کے ساتھ ساتھ بعض رہنماؤں کے قول وعمل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد (جسے انگریز ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ''غدر'' کہنے اور کہلوانے پر مُصر رہے) سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ کیونکہ انگریزوں کا پہلا ہدف وہی تھے۔ ہندو اکثریت اپنی مکاری، چالبازی اور خوشامدانہ روش کی بناء پر انگریزوں کی وفادار رہی۔ وعدہ معاف گواہوں میں بھی ہندو اور سکھ کثرت سے شامل ہوئے، لیکن اس جنگِ آزادی میں بعض مسلمان والیانِ ریاست نے انگریز کے دبدبے سے خوف کھا کر اس کے دامنِ شاہی میں پناہ ڈھونڈ لی تھی۔ یہ جنگ صرف ۱۸۵۷ء کے چند ایام یا چند مہینوں تک محدود نہیں رہی بلکہ ۱۹۴۷ء تک اس کے خفتہ اور پوشیدہ شعلے بھڑکتے رہے۔ اندر ہی اندر تغیر و تبدل کا عمل جاری رہا۔ مسلمانوں کی ابتری اور بدحالی کے ان ایام میں ایسے رخشندہ ستارے بھی افقِ امید پر طلوع ہوئے جن کی روشنی میں منزل کی شناخت آسان ہوئی۔ نہ صرف مختلف فکری، مذہبی، سیاسی اور ادبی تحریکیں شروع ہوئیں بلکہ اجتماعی سوچ میں بھی ایک انقلابی کیفیت پیدا ہوئی۔ مولانا سید احمد رائے بریلویؒ کی تحریکِ جہاد کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا۔ مدرسہ دیوبند اور ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین بھی اسی زمانے میں قائم ہوئے۔ اردو اور مقامی زبانوں کے علاوہ مغربی زبانوں میں بھی اسلام کی بہترین ترجمانی کی گئی۔ بالخصوص مغربی دنیا میں اسلام کو جدید خطوط پر متعارف کرانے والوں میں سید امیر علی کا نام نمایاں ہے جبکہ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں خواجہ کمال الدین نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ ہر چند کہ شاہ ولی اللہ کے افکار و خیالات نے بھی مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور انھیں اجتماعی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا، لیکن اس تمام معاملے میں تائید ایزدی کو اوّلیت حاصل رہی۔ اس دور میں جن زعماء نے اپنے افکار و نظریات کو فروغِ دین اور فلاحِ دین کے لیے وقف کیا، اُن میں خصوصیت سے مولانا شاہ اسماعیل شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد،

مولانا اشرف علی تھانوی، حسرت موہانی، سرسید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد اور اکبرالہ آبادی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ تحریک ۱۸۰۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کی مذہبی، قومی اور فکری تحریکوں اور ان کے قائدین کا احاطہ کرتی ہے۔ ۱۹۶۰ء کے اوائل میں اس کے ایڈیشن میں جواز کار باقی رہ گئے تھے۔ انھیں بعد کے ایڈیشنوں میں نہ صرف شامل کیا گیا بلکہ مزید اضافے بھی کیے گئے۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اور سرسید احمد خان بانی علی گڑھ اسلامی یونی ورسٹی کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کتاب کے ابواب اس طرح قائم کیے گئے ہیں:

(۱) حضرت سید احمد بریلویؒ اور اُن کے رفقائے کار (۲) ردّ عمل (۳) اقبالؒ (۴) مولانا عبیداللہ سندھی دیوبندی (۶) تذکرہ (۷) مغربی مادیت اور مشرقی روحانیت کا امتزاج...... اور آخر میں ضمیمۂ دیوبند وعلی گڑھ۔

اس دور میں جبکہ قوم انتشار وافتراق کا شکار تھی۔ انگریزوں نے اپنے وسیع تر مفادات کے تحت مسلمانوں میں بددلی پھیلانے اور آپس میں الجھائے رکھنے کے لیے ایسے افراد کی سرپرستی کی جو دین کے نام پر نت نئی اختراعات کے موجب ٹھہرے۔ ان میں بانی احمدی جماعت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے اپنا آغاز فریب نظری سے کیا یعنی مباہلہ ومناظرہ کے ذریعے عیسائی پادریوں کو ایک خاص منصوبے کے تحت اپنا ہدف بنایا تا کہ عام مسلمانوں بالخصوص دیہی علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کی توجہ اور ہمدردیاں حاصل کرسکیں۔ بعدازاں ان مباہلوں اور مناظروں کا رخ مسلمانوں کی طرف مڑ گیا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعویٰ نبوت کی بنیادیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا تھا جس میں ''ماسٹر مائنڈ'' انگریز تھا۔ کتاب میں مرزا غلام احمد اور قادیانی جماعت کے نام سے ایک تفصیلی باب ہے۔ جس میں الگ سے احمدیہ جماعت لاہور کا بھی ذکر ہے اور لاہوری اور قادیانی جماعت کی علیحدگی کے اسباب بھی مرزا بشیرالدین محمود کی خلافت کے مسئلہ کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد جماعت کی باگ ڈور اُن کے دست راست حکیم نورالدین نے سنبھالی اور ان کی وفات کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیرالدین محمود کو ان کی جماعت نے ''خلیفۃ المسیح''، منتخب کرلیا۔ اس پر جماعت کے بہت سے ہم خیال اور ہم عقائد جن میں خواجہ کمال الدین بھی شامل تھے، قادیانی جماعت سے الگ ہوگئے اور انھوں نے لاہوری جماعت بنا ڈالی۔ بظاہر نظریاتی لیکن بباطن ذاتی اختلافات کی بنیاد پر الگ ہونے والوں کے بارے میں کتاب کے مصنف جناب شیخ محمد اکرام نے خدا معلوم کیوں بڑے سوئے ظن سے کام کیا ہے اور تبلیغ اسلام کی خدمت کے حوالے سے لاہوری جماعت کے بعض مبلغین بالخصوص مولوی محمد علی کے ترجمہ قرآن اور خواجہ کمال الدین کے ''تبلیغ دین اسلام'' کو کارنامے کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور ذہنی، فکری اور مذہبی طور پر عام مسلمانوں سے بہت قریب ہے جبکہ یہ صریحاً ایک خوش فہمی ہے۔ آئین پاکستان کی رُو سے قادیانی جماعت کے دونوں دھڑوں کو اقلیت قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کیا جاچکا ہے اور بعد کی تحقیق نے یہ ثابت بھی کردیا ہے کہ یہ جماعت یا

اس کا کوئی بھی دھڑا نہ اسلام سے مخلص تھا نہ فروغِ دین سے اس کا کوئی حقیقی تعلق تھا۔ یہ انگریزوں کا چھوڑا ہوا ایک شوشہ تھا جو ایک خبطی اور مخبوط الحواس شخص اور اس کے حاشیہ نشینوں کے ذریعے ہر طرف پھیلایا گیا۔

چونکہ ''موجِ کوثر'' کی تصنیف ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ہوئی اور اس کا پہلا ایڈیشن بھی اسی دہائی میں یا ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں شائع ہوا۔ اس لیے کسی نے اس بڑی غلطی کی نشاندہی نہیں کی۔ لیکن حیرت ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بھی جماعتِ احمدیہ قادیانی و لاہوری کے حوالے سے شامل کیے گئے مندرجات کی ''خوش عقیدہ اور خوش فہم سطور'' بھی حذف نہیں کی گئیں اور کسی ضمیمہ کے ذریعے اس پہلو کی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ کتاب اُس وقت لکھی اور چھاپی گئی جب آئینی اور قانونی طور پر اس جماعت کے دونوں دھڑوں سے تعلق رکھنے والوں کو اقلیت قرار دے کر مذہب اسلام کے دائرے سے خارج نہیں کیا گیا تھا اور قادیانی حضرات بھی عقیدۂ ختم نبوت سے بنیادی اختلاف کے مرتکب ہونے کے باوجود بھی خود کو مسلمان کہتے اور کہلاتے تھے۔

مقامِ حیرت ہے کہ ''موجِ کوثر'' جو تحریک پاکستان کے تناظر میں عام مسلمانوں بالخصوص نئی نسل کی آگہی اور رہنمائی کے لیے لکھی گئی اور چھاپی گئی اس میں موجودہ آئینی اور قانونی ترامیم کے باوجود اس اہم پہلو کو الگ ضمیمہ کی شکل میں اجاگر کرنے کی ضرورت کسی نے بھی محسوس نہیں کی اور خواجہ کمال الدین کی ''اسلامی خدمات'' کے والہانہ ذکر کے ساتھ ساتھ اُن کے اور دیگر احمدی حضرات کے نام کے ساتھ ''رحمتہ اللہ علیہ'' کا صیغہ جوں کا توں لکھا ہوا برقرار ہے جو عہدِ موجود میں اسلامی نظریات اور آئینی و قانونی فیصلے کی صریحاً نفی ہے۔

اس کتاب کا موجودہ ایڈیشن ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور جیسے مقتدر قومی ادارے نے شائع کیا ہے اور اس ادارے میں موجود کسی بھی محبِّ وطن دانشور نے فٹ نوٹ کے ذریعے اس کتاب کی اغلاط کی نشاندہی نہیں کی۔ اس کتاب کا یہ سولھواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۹۴ء میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے تعاون سے شائع ہوا ہے اور مطبع کی جگہ اظہار سنز لاہور کا نام درج ہے۔ اس کتاب کے ناشر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ہیں جو ۱۹۹۴ء میں ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ انھوں نے ڈاکٹریٹ کس مضمون میں کی ہے لیکن جس بھی مضمون میں کی ہو بہرحال ان کی علمی حیثیت ڈگری کے لحاظ سے عام خواندہ مسلمان سے بہتر و برتر ہے۔ ناظم اشاعت کی حیثیت سے یہ اُن کا فرضِ منصبی تھا کہ وہ اس اہم کتاب کے مندرجات کا نئے حالات کے تناظر میں از سرِ نو جائزہ لیتے اور اس کتاب کے مرتبین سے جہاں ضرورت محسوس ہوتی فٹ نوٹس لکھواتے۔ ہم نے صرف ایک باب کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جب کہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر ایسے پہلو موجود ہیں جن پر بحث کی گنجائش موجود ہے۔ ہم نے جو کچھ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے کارپردازان کی منصبی ذمہ داریوں کے حوالے سے اس کتاب کے ضمن میں عرض کیا ہے وہی معروضات اکادمی ادبیات پاکستان پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی یہ کتاب تحریک پاکستان کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ [مطبوعہ: ہفت روزہ ''ندائے ملت'' لاہور، ۱۳/ تا ۱۹/ نومبر ۲۰۰۸ء]

ملتان کا جغرافیہ

محمد الیاس میراں پوری

ملتان کے بارے میں امیر خسرو نے کہا تھا:

چہار چیز از تحفۂ ملتان
گرد و گرما گدا و گورستان

امیر خسرو کے مذکورہ فارسی شعر کا منظوم اردو ترجمہ ملتان کے گم نام شاعر عبدالرب خلیق مرحوم نے اس طرح کیا تھا:

ملتان کی مشہور ہیں بس چیزیں چار
گرمی، آندھی ، بھک منگے ، چوتھے مزار

اگر یقین نہ آئے تو ملتان آ کر دیکھ لیں لیکن یہاں آ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ امیر خسرو تو اس سے آگے بھی بہت کچھ بتا سکتے تھے۔ نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر انھوں نے صرف چار تحفوں پر اکتفا کیا۔

ملتان کا جغرافیہ عجیب سے زیادہ غریب ہے۔ بلکہ غربت پیدا کرنے والے اکثر سیاست دان اسی علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملتان کے مغرب میں کبھی دریائے چناب بہتا تھا۔ اب اس کے پھیپھڑوں میں پانی رہ گیا ہے۔ باقی جسم سوکھ چکا ہے۔ البتہ اس کی سیر کے لیے جانے والے بہت کم واپس آتے ہیں۔ کیونکہ کشتی رانی کے شوقین اس کے پھیپھڑوں میں چلے جاتے ہیں۔ ملتان کے مشرق میں ایک فیکٹری ہے جس کی پیداوار کچھ ہو نہ ہو لیکن اس کی آب و ہوا سے یہاں کے باسی اس عارضی دنیا سے بہت جلد چھٹکارا پا لیتے ہیں۔ گویا ملتان کے مشرق سے مغرب تک ملک الموت رقص کناں نظر آتا ہے۔ ملتان کے شمال میں ایک کالونی میں تعلیمی اداروں کی تعداد طالب علموں کی تعداد سے زیادہ ہے۔

یہاں کے سیاست دان اپنی چمکدار گاڑیوں کو ملتان کی ادھڑی ہوئی سڑکوں کی بجائے اسلام آباد کی خوبصورت شاہراہوں پر چلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ووٹ دینے والی آبادی کی سڑکیں ان کا منہ چڑاتی ہیں اور یہ عوام اور سڑکوں کا منہ چڑا کر اسلام آباد چلے جاتے ہیں۔ انھیں تو بس شاہراہِ دستور ہی اچھی لگتی ہے۔ جہاں دستور نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر کچھ نظر آتا ہے تو وہ آئین و دستور کی پامالی اور خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہاں کے سیاست دان کبھی کبھار اپنے

حلقوں میں بھی آتے ہیں، لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے نہیں بلکہ فرضی گلیوں اور کاغذی سڑکوں کی افتتاحی تختیوں کی نقاب کشائی کے لیے۔ ملتانی سیاست دانوں کو سوز و واٹر پارک، زیرو پوائنٹ، پونچھ ہاؤس سے جنون کی حد تک عشق ہے۔ انھیں بوہڑ گیٹ اور شاہین مارکیٹ سے کوئی نسبت نہیں کہ جہاں انھیں ہمیشہ ووٹ ملتے ہیں اور یہیں ہر وقت پانی رہتا ہے۔ پھر بھی ملتان کے حکام پانی پانی نہیں ہوتے۔ اگر کبھی کبھار ہو بھی جائیں تو اس وقت پلوں سے پانی گزر چکا ہوتا ہے۔ جب پورا ملک بارش کے لیے ترس رہا ہوتا ہے اس وقت اندرونِ ملتان کا یہ علاقہ اپنی سیرابی کا بھرپور منظر پیش کرتا ہے۔ ملتان کینٹ کی طرف جائیں تو وہاں کا منظر ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ یہاں آ کر پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ بھی ملتان ہے یا اسلام آباد کا کوئی سیکٹر؟ یہاں کی ہر چیز باقی ملتان سے مختلف ہے۔

ملتان کی سڑکوں کا ذکر چل ہی نکلا ہے تو کیوں نہ آج ''سب گلے شکوے تیرے روبرو کریں''۔ ملتان کی سڑکیں کھنڈرات سے کم نہیں ہیں۔ پہلی دفعہ ملتان آنے والے کو ملتان اپنی قدیم تاریخ خود بتاتا ہے کہ میں کتنا قدیم ہوں۔ سیاحوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ موہنجوڑو یا ہڑپہ کے کھنڈرات کی باقیات میں سے گزر رہا ہے۔ ملتان کے لوگ پیٹ کے درد میں کم مبتلا ہوتے ہیں اس کی وجہ یہاں کی سڑکوں کی حالتِ زار ہے۔ اچھا بھلا بیمار آدمی ہسپتال جانے سے پہلے پہلے یا تو اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے یا ہمیشہ کے لیے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ملتان کے حکام کو سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب وہ ملتان کو پیرس بنانے کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں اور اُن کے اس احسانِ عظیم پر خصوصی ''عوام'' تالیاں جبکہ حقیقی عوام سر پیٹتے ہیں۔ ملتان کی سڑکیں توڑی تو مرمت کے لیے جاتی ہیں لیکن ٹھیک ہوتے ہوتے یا تو ٹھیکیدار گزر جاتا ہے یا حکومت بدل جاتی ہے اور یا پھر سڑک کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ لگتا ہے کہ اللہ میاں نے ملک الموت کو ملتان جانے سے روک رکھا ہے کہ خواہ مخواہ کی ڈیوٹی سے کیا فائدہ۔ یا تو یہ لوگ گرمی سے مر جاتے ہیں یا سڑکوں کی ناگفتہ حالت ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس لیے محکمہ بہبود آبادی والے مفت کی تنخواہیں لیتے رہتے ہیں کہ آبادی کم کرنے کے لیے انھیں کسی قسم کی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ یہاں کی سڑکوں کے بارے میں بتانے کے لیے بہت سی باتیں ہیں لیکن ان میں سے کچھ ایسی ہیں کہ جنھیں سن کر خواہ مخواہ کم ظرف لوگوں کی رگِ ظرافت بھی پھڑک اٹھتی ہے۔ اردو شاعری کے عاشق کے گریبان کی طرح یہاں کی سڑکیں بھی ''لیرولیر'' ہیں۔ اُدھڑی ہوئی سڑکوں کی وجہ سے یہاں گرد اڑتی رہتی ہے اور جب گرد اڑتی ہے تو اردگرد کے لوگ بھی نظر نہیں آتے۔ اگر نظر آ بھی جائیں تو اُن پر اتنی گرد پڑ چکی ہوتی ہے کہ انھیں پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں قدرے پرانا لطیفہ تازہ دم ہونے کے لیے یاد آ رہا ہے کہ ایک آدمی جب ملتان کی سڑکوں کی گرد پھانک کر گھر پہنچا تو بیوی بچے ڈر گئے کہ یہ ہمارے گھر میں کون گھس آیا ہے۔ وہ آدمی جب نہا دھو کر واپس اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آیا تو تب انھیں پتا چلا کہ یہ آدمی اس گھر کا مالک ہے۔ بس یہاں کی گرد نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ بات صرف گرد تک ہوتی تو کوئی خاص قابل ذکر واقعہ نہیں تھا۔ یہاں ٹریفک کا شور، دھواں چھوڑتے آٹو رکشے، آلودگی،

سلنسر کے بغیر موٹر سائیکل پر ون ویلنگ کرنے والے رئیس زادے یہاں کی خاص پہچان ہیں۔

ملتان کا ذکر ہو رہا ہو اور یہاں کی ٹرانسپورٹ کا ذکر نہ ہو تو بات بادہ و ساغر کہے بغیر بنتی نہیں۔ لیکن بعض اوقات بات بن بھی جاتی ہے۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہاں طبعی موت نصیب ہو جاتی ہے ورنہ اکثر ٹریفک کے اژدہام کا شکار ہو جاتے ہے۔ ایک سٹی بس سروس کا تو کام ہی یہی ہے کہ یہ مسافروں کو ''منزلِ مقصود'' تک پہنچائے۔ ویگنوں میں مسافروں کو اس طرح گھسیڑا جاتا ہے جس طرح کوئی خائب الوزن لفظ شعر میں خواہ مخواہ کھپا دیا جائے۔ ویگن میں بیٹھ کر لوگوں کی حالت اُس قیدی کی طرح ہوتی ہے جسے پھانسی گھاٹ لے جایا جا رہا ہو۔ کچھ مسافر تو گھٹن سے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور جو بچتے ہیں ان کے ہوش اڑ کر ہوا ہو جاتے ہیں۔

ملتان کا ذکر ہو رہا ہو اور لوڈ شیڈنگ کا ذکر نہ ہو تو یہ ملتان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ دوسرے شہروں کی طرح یہاں بھی لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے اور بجلی دوبارہ جانے کے لیے آ ہی جاتی ہے۔ لیکن ابھی بجلی آنے کا شور بلند ہوتا ہے اور کام کرنے کے لیے ترتیب بنائی جاتی ہے کہ دوبارہ چلی جاتی ہے۔ یعنی:

اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

جیسی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ملتان کی آبادی کم کرنے میں بجلی کی تاروں کا بھی ہاتھ ہے۔ اندرون شہر خصوصاً اور دیگر علاقوں میں عموماً بجلی کی تاریں اتنی الجھی ہوتی ہیں کہ جنھیں سلجھانے کے لیے واپڈا کے اہلکاروں کو ''تار و تار'' ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو صورت حال ''کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک'' جیسی ہوتی ہے۔ مذکورہ ''سہولیات'' کے باوجود بھی بجلی کا بل کس بل نکالنے کے لیے کافی ہوتا ہے جس سے مہنگائی کے بوجھ تلے دبے عوام بلبلا اٹھتے ہیں۔ لیکن عوام کی یہ بلبلاہٹ بھی حکمرانوں میں کلبلاہٹ اور تلملاہٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ عوام کی یہ بلبلاہٹ اُن کی گاڑیوں کی چرچراہٹ میں گم ہو جاتی ہے۔

یہاں کا مشہور پھل آم ہے جو عام پایا جاتا ہے۔ جسے عام و خاص بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اور چھلکے سڑکوں پر پھینک دیتے ہیں تاکہ پیچھے آنے والے پھسلنے کے شوقین ان چھلکوں سے ''مستفید'' ہو سکیں۔ آم ملتان کی سوغات سہی لیکن پھر بھی یہاں اتنے مہنگے ہوتے ہیں کہ ''آم کے آم گٹھلیوں کے دام'' کے صحیح معنی و مفہوم کا پتا چل جاتا ہے۔ جبکہ اوسط درجے کے لوگ صرف تلوک چند کا تخلص رہ جاتے ہیں۔ غالب کو آم بہت پسند تھے لیکن وہ ملتان کے آم نہیں تھے۔

ملتان کے قبرستان پوری دنیا میں صرف اس لیے ہی مشہور نہیں ہیں کہ یہاں اولیاء اللہ مدفون ہیں بلکہ اس لحاظ سے بھی معروف ہیں کہ یہ کبھی تو اپنی خستہ حالی پر نوحہ کناں ہوتے ہیں اور کبھی ان قبرستانوں میں مدفون مردے اپنے اعمال سے زیادہ اپنی قبر کی حالت پر خوف زدہ رہتے ہیں۔ بزرگوں کے مزارات پر بھکاری اتنی کثرت سے نظر آتے ہیں کہ اگر کوئی قسمت کا مارا غیر ملکی سیاح یہاں آنے کی زحمت کر بیٹھے تو یہ بھکاری اُس پر اس طرح جھپٹتے ہیں جیسے گدھ مردہ گوشت پر

لپکتا ہے۔ آپ ملتان کے کسی قبرستان میں چلے جائیں وہاں آپ کو عبرت حاصل کرنے والے کم اور کاروبار کرنے والے زیادہ نظر آئیں گے اور ''پینے پلانے'' والوں کا تو گوشۂ عافیت ہی یہی ہے۔ یہاں مردے کے لواحقین اپنے پیاروں کو کفن دے تو جاتے ہیں لیکن انھیں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کب وہ بے گور و کفن ہو جائیں۔ یعنی غالب کے الفاظ میں:

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے

سرکاری ہسپتالوں کی حالتِ زار بھی اظہر من الشّمس ہے۔ مریض جاتے تو علاج کے لیے ہیں لیکن لاعلاج مرض میں مبتلا ہو کر واپس آتے ہیں۔ وجہ یہاں کا متعفن ماحول ہے۔ ڈاکٹر مریض کی حالت ٹھیک کرنے کی بجائے اپنی معاشی حالت بہتر بنانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے۔ مریض اگر جاں بہ لب ہو تو وہ مریض کو اپنے پرائیویٹ کلینک پر آنے کا کہہ کر چل دیتے ہیں۔ اس دوران ڈاکٹر اپنے کلینک پر بعد میں پہنچتا ہے مریض اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ مریض شدید تکلیف اور گرمی میں ڈاکٹر کے کلینک پر جانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ آسان راستے کا انتخاب کرتا ہے۔

یہاں گرمی اس زور سے پڑتی ہے کہ قیامت کا گماں ہوتا ہے۔ یعنی سورج سوا نیزے پر۔ گرمیوں میں اگر کوئی قسمت کا مارا گھر سے باہر نکل پڑے تو بچا کھچا ہی واپس آتا ہے۔ میر انیس نے تو یہ مصرعہ ''بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمیں پر'' کربلا کی گرمی کے بارے میں کہا تھا۔ لیکن اگر وہ زندہ ہوتے تو یہی شعر ملتان کے بارے میں کہتے۔ اگر یہاں پر کبھی بھولے سے بارش ہو بھی جائے تو اس کے بعد گرمی کا زور ٹوٹنے کی بجائے بڑھ جاتا ہے۔ اور اتنی حبس ہوتی ہے کہ:

وہ حبس ہے کہ لُو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

یہاں کی گرمی کے بارے میں کسی ستم ظریف نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اہل ملتان دوزخ میں بھی لحاف لیے ہوئے ہوں گے۔ کچھ سر پھرے ایسے بھی ہیں جو ملتان کی گرمی سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہاں آجاتے ہیں۔

بارہ مولا مری وچ ٹھنڈیاں ہواواں نے
گرمی دا مزہ لین مولتان چلیے

میں اپنی بات کو ختم کرنے ہی والا تھا کہ ملتان ایک مجسم صورت اختیار کر کے میرے سامنے آگیا اور کہا تم نے یہ جو میری اتنی ساری خامیاں بتائی ہیں۔ کوئی ایک آدھ خوبی بھی بتا دیتے۔ میں نے خوبی پوچھی تو کہنے لگا کہ یہ پُر امن شہر ہے۔ یہاں کبھی خودکش حملہ نہیں ہوا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو ملتان نے کہا کہ دہشت گرد یہاں کی گرمی سے گھبرا کر اِدھر کا رخ کرنے سے ڈرتے ہیں۔

☆☆☆

زبان میری ہے بات اُن کی

ساغر اقبالی

☆ پیپلز پارٹی کی نرگس ملک اور ق لیگ کی ثمینہ خاور میں لڑائی، گالم گلوچ۔ (ایک خبر)

دنیا میں حکومت گر زنانی ہوتی
عالمی جنگ جو ہوتی تو زبانی ہوتی

☆ یکم جولائی سے بجلی کے نرخ ۷ا فیصد بڑھائے جائیں گے۔ (ایک خبر)

تاکہ بجلی کے بل سے عوام کے بَل نکالے جاسکیں!

☆ غربت سے تنگ شخص نے بیوی اور تین بچوں کو پھانسی دے دی۔ (ایک خبر)

غربت کو فروغ دینے والے حکمرانوں میں بھی یہ روایت چلے تو بات بنے۔

☆ ۱۹۶۴ء کے بعد پہلی بار پارلیمنٹ میں دفاعی بجٹ پیش کیا گیا۔ (حنا ربانی کھر)

جو سوات اور وزیرستان میں اپنے ہم وطنوں کو فتح کرنے کے لیے ناکافی ہے۔

☆ حنا ربانی کھر نے اپنی بجٹ تقریر کے دوران ۱۶ مرتبہ غلط اردو پڑھی۔ (ایک خبر)

آتی ہے اردو زباں آتے آتے

☆ ملتان کی ۴۰ سڑکوں کے لیے پونے ۶۳ کروڑ روپے رکھے گئے ہیں۔ (ایک خبر)

توڑ توڑ کے بنانے اور بنا بنا کے توڑنے میں ہی پورے ہو جائیں گے۔

☆ پرویز مشرف سمیت ۳۴ افراد پر ستی بجلی ناجائز حاصل کرنے کا الزام ثابت۔ (ایک خبر)

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر ''میر'' کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

☆ پاکستان کی امداد نہ کی گئی تو طالبان بھارت اور خلیج ممالک جاسکتے ہیں۔ (شاہ محمود)

غیر ممکن ہے کہ حالات کی گتھی سلجھے
اہل مغرب نے بہت سوچ کے الجھائی ہے

☆ ایوانِ صدر کے لیے سگریٹ کی خریداری بند کرنے کی ہدایات۔ (ایک خبر)

خبردار! سگریٹ خود خرید کر پئیں، پیسے ہم سے لیں

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ھے

تبصرہ: جاوید اختر بھٹی

● کتابچہ: بجز داغِ ندامت　　　مصنف: امجد علی شاکر

ضخامت: ۲۸ صفحات　قیمت: ۲۰ روپے　　ناشر: مکہ کتاب گھر، اردو بازار لاہور

مولانا سید حسین احمد مدنی کا قصور یہ تھا (اور ہے) کہ وہ متحدہ ہندوستان کے حامی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند سے قبل مسلم لیگیوں نے ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ دانشور خود کو محبِّ وطن ثابت کرنے کے لیے مولانا مدنی کے خلاف گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ حامد میر جو کچھ عرصہ پہلے تک ''جہادی صحافی'' کے طور پر شہرت رکھتے تھے۔ اسامہ بن لادن کا آخری انٹرویو بھی ان کے حصے میں آیا۔ ٹی وی اور اخباری کالموں میں وہ جہادیوں کی شجاعت بیان کیا کرتے تھے۔ غالبًا اب انھوں نے قلمی جہاد ترک کر دیا ہے۔

مولانا سید حسین احمد مدنی پر ان کا ایک کالم روزنامہ ''جنگ'' میں آیا تو اس بحث کا آغاز ہوا۔ اس ردِّعمل میں چند تحریریں شائع ہوئیں۔ حامد میر نے بہت تھوڑے وقت میں یہ میدان بھی چھوڑ دیا اور اپنے تیر کمان لے کر واپس چلے گئے۔

امجد علی شاکر نے مولانا مدنی پر الزامات کی حقیقت، پس منظر اور مقاصد کی وضاحت کی ہے۔ ہر چند کہ اس میں کوئی بات نئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ہاں البتہ نئی نسل اس کتابچے کو پڑھ کر واقفیت حاصل کر سکتی ہے۔ حامد میر نے جس فتنے کو جگانے کی کوشش کی ہے، شاکر صاحب نے اس کا مناسب سدباب کیا ہے۔

● کتاب: اذان　　　مؤلف: حبیب الرحمٰن ہاشمی

ضخامت: ۱۷۵ صفحات　قیمت: ۱۵۰ روپے　　ناشر: مکتبہ قاسمیہ، چوک گھنٹہ گھر، ملتان

مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب ایک صاحبِ علم اور صاحبِ بصیرت انسان ہیں۔ وہ ہر وقت علمی جستجو میں محو دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے تو جب بھی انھیں دیکھا، دنیا داری سے دور ہی دیکھا۔ مولانا کی ایک معروف تالیف ''اذان'' ہے۔ حال ہی میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ اذان کی تاریخ ہے۔۔

دین اسلام کی عظمت یہ ہے کہ اس کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اور اب تو ہر زبان میں رہنمائی کے لیے کتب موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ ایمان لوگوں کے دلوں میں کوئی ایسی نئی بات ڈال دیتے ہیں۔ جو ان کی نیک نامی کا باعث

ہوتی ہے۔مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے دل وذہن میں یہ یک وقت خیال آیا کہ وہ ''اذان'' پر کتاب تالیف کریں۔ اذان کہ جو پانچ مرتبہ سنی جاتی ہے۔مگر اس پر کتاب کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا گیا۔ یہ کارِ خیر مولانا کے حصے میں آیا اور انھوں نے عشق اور تحقیق سے اس موضوع پر کام کیا۔

اس کتاب کی خیر و برکت میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب حضرت مولانا خان محمد صاحب اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے کتاب اور صاحبِ کتاب کے لیے دعا کی۔

اذان کی بات ہو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر نہ آئے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ایک واقعہ سنئے اور دیکھئے جذب کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے بلال! یہ کیا ظلم ہے کہ تم ہمارے پاس نہیں آتے۔غم زدہ ڈرتے ہوئے بیدار ہوئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور وہاں زار و قطار رونا شروع کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔

سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملے تو انھوں نے ان کو سینے سے چمٹا لیا اور خوب پیار کیا۔صاحبزادگان نے فرمایا کہ ہم وہی اذان سننا چاہتے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں دیا کرتے تھے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے۔اسی جگہ قیام کیا۔ جہاں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب انھوں نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا تو مدینہ گونج اٹھا، جب اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو گونج بڑھ گئی۔ پھر جب اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو پھر تمام مدینہ میں چیخ و پکار ہونے لگی۔ (کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ نگاہوں میں گھوم گیا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جتنا مرد و زن کے رونے کا منظر اس دن دیکھا گیا کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

اور یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ''گزشتہ شب جب میں جنت میں داخل ہوا تو تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے آگے آگے سنی۔''

اس کتاب کے بارے میں بس یہی ایک رائے دی جاسکتی ہے کہ اس کو پڑھیے اور سرشاری حاصل کیجیے۔

☆☆☆

ادارہ

اخبارالاحرار

ریڈیو پاکستان فیصل آباد مرزائیت کی تبلیغ پر معافی مانگے

فیصل آباد (یکم جون) مجلس احرارِ اسلام پاکستان نے ریڈیو پاکستان فیصل آباد کے ذریعے مرزائیت کی تبلیغ پر شدید احتجاج کرتے ہوئے اس کے ذمہ دار عملہ کے خلاف مؤثر کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ احرار کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ ''سحری سویرے'' پروگرام میں ریڈیو پاکستان فیصل آباد کی کمپیئر نے قادیانیت کے بانی کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا قادیانی کو اسلام کا عظیم رہنما قرار دیا جس سے اسلامیانِ پاکستان کے مذہبی جذبات بُری طرح مجروح ہوئے ہیں اور یہ آئینِ پاکستان، امتناعِ قادیانیت ایکٹ اور قرآن وسنت اور اجماعِ امت کی بھی توہین ہے۔ اگر اسٹیشن ڈائریکٹر اکرام رانا، خاتون کمپیئر اقصیٰ اور متعلقہ ذمہ داران کے خلاف فوری طور پر مؤثر کارروائی نہ کی گئی تو اس سے اشتعال پیدا ہوگا اور پیش آمدہ صورتحال کی ذمہ داری اُنہی عناصر پر ہوگی جو اس کے ذمہ دار ہیں۔ مجلس احرار اسلام فیصل آباد کے رہنماؤں حاجی غلام رسول نیازی، محمد اشرف علی احرار اور دیگر دینی و سیاسی اور سماجی وشہری حلقوں نے بھی ریڈیو پاکستان فیصل آباد کی نشریات میں مرزا قادیانی کو اسلامی رہنما قرار دینے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے ریڈیو فیصل آباد کے ذمہ داران کے خلاف فوری کارروائی کا مطالبہ کرتے ہوئے اس پر معذرت نشر کرنے اور اپنے الفاظ واپس لینے کا فوری مطالبہ کیا ہے۔

امریکہ اور عالم کفر کی جنگ لڑنے والے پاکستان توڑنے کی جنگ لڑ رہے ہیں

لاہور (۹/جون) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ امریکہ اور اُس کی پالیسیاں ہی دہشت گردی اور انتہاء پسندی کا اصل سبب ہیں اور سبب دور کیے بغیر امن ممکن نہیں۔ امریکہ اور پاکستانی حکمرانوں کے امن کے دعووں میں سچائی نام کی کوئی چیز نہیں۔ ایک بیان میں انھوں نے کہا کہ جس عجلت میں سوات میں عدل ریگولیشن نافذ کیا گیا تھا اُسی عجلت میں آپریشن بھی شروع کیا گیا۔ دونوں کام سو فیصد پری پلینڈ تھے۔ انھوں نے کہا کہ متاثرہ علاقوں میں طالبان کے خوف کی آڑ لے کر جو کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ یہ ملک کی سلامتی کے لیے خطرناک ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک وقت بنگالی کو گالی بنایا گیا اور سقوطِ ڈھاکہ ہوا اب طالبان کو گالی بنایا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ امریکہ اور عالم کفر کی جنگ لڑنے والے پاکستان کو توڑنے کے خطرناک ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مالاکنڈ اور سوات میں علماء کرام کو ٹارگٹ کر کے قتل کیا جا رہا ہے اور اگلے مرحلے میں اس آگ کو جنوبی پنجاب میں مسلط کرنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ چودھری شجاعت حسین کو اب یاد آیا ہے کہ پرویز مشرف نے طاقت کے نشے میں لال مسجد میں قتلِ عام کیا اور اکبر بگٹی کو مروایا۔ ہمارے خیال میں چودھری شجاعت حسین بھی اُس وقت اقتدار واختیارات اور مفادات کے نشے میں پوری طرح مست تھے۔

ملائیشیا میں قادیانی سرگرمیوں پر پابندی عائد

لاہور (۱۳/جون) ملائشیا کی حکومت نے ملک میں قادیانیوں کی خلافِ اسلام سرگرمیوں پر پابندی لگا دی ہے اور

قادیانی جماعت کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا ٹائٹل استعمال کرنے سے باز رہے اور اپنے آپ کو مسلمان نہ کہلوائے، کوالالمپور سے موصولہ اطلاعات کے مطابق اسلامی امور کونسل کے چیئر مین ڈاکٹر حسن علی نے کہا ہے کہ قادیانی گروپ، سرکاری اتھارٹیز کو چیلنج کر رہا ہے۔ ملائشیا کی پارلیمنٹ کے ایک رکن خالد صمد کے مطابق دنیا میں ایک ہزار سے زائد مذاہب ہیں لیکن کوئی غیر مسلم اپنے آپ کو مسلمان یا اپنے مذہب کو اسلام قرار نہیں دیتا جس سے ان مذاہب کے ماننے والوں سے اس قسم کا تناؤ پیدا نہیں ہوتا جبکہ قادیانی غیر مسلم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان اور اسلام کے اصلی نمائندے ہونے پر زور دیتے ہیں جس پر کشیدگی جنم لیتی ہے۔ اطلاعات کے مطابق ملائشیا کی حکومت نے اسلام کے نام پر قادیانی سرگرمیوں کو خلافِ قانون قرار دیتے ہوئے قادیانیوں کی مرکزی عبادت گاہ ''بیت السلام'' میں قادیانیوں کی اسلامی امور کی کونسل جسے ''مجلس اگاما اسلام'' کہا جاتا ہے، قادیانی جماعت سے ایک حکم نامہ کی تعمیل کرائی جس کے تحت قادیانیوں کی مرکزی عبادت گاہ ''بیت السلام'' میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا اور ''بیت السلام'' کو بحیثیت ''مسجد'' استعمال سے روک کر ان کی دیگر سرگرمیوں پر بھی پابندی لگا دی تا کہ وہ دنیا کو دھوکہ دینے سے باز رہیں اس کے علاوہ مذکورہ محکمہ نے ''بیت السلام'' کے باہر ایک بورڈ بھی آویزاں کر دیا ہے جس پر تحریر کیا گیا ہے کہ ''احمدیت ہر گز اسلام نہیں'' مزید بتایا گیا ہے کہ قادیانی عبادت گاہ ''بیت السلام'' ایک رہائشی علاقہ میں تعمیر کی گئی جو کہ ''نیشنل کوڈ'' کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ قادیانیوں کی اِرتدادی سرگرمیاں ''کونگ نکھوڈا'' کے علاقہ میں ایک عرصے سے جاری تھیں اور قادیانی گروپ سرکاری اتھارٹیز کو چیلنج کر رہا تھا جبکہ ان کو ۱۹۷۵ء میں ''سیلو گور اسلامک ڈیپارٹمنٹ'' نے پہلے ہی غیر مسلم قرار دیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق ملائشیا کے متعدد اسلامی گروپس اور مسلم تنظیموں نے اس سرکاری فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے مستقل قانون سازی کا مطالبہ کیا ہے۔ ختم نبوت اکیڈمی لندن کے ڈائریکٹر اور عالمی مبلغ ختم نبوت عبدالرحمٰن باوا، مجلس احرارِ اسلام برطانیہ کے صدر شیخ عبدالواحد اور سیکرٹری جنرل عرفان اشرف چیمہ، مجلس احرارِ اسلام جرمنی کے صدر سید منیر احمد شاہ بخاری، ختم نبوت سنٹر بیلجئم کے ملک محمد افضل اور متعدد دیگر شخصیات نے ملائشیا میں قادیانی سرگرمیوں پر پابندی کا پر جوش خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ رابطہ عالمِ اسلامی کے اجتماع منعقدہ ۱۹۷۴ء مکہ مکرمہ میں ایک قرارداد کے ذریعے مسلم حکومتوں سے قادیانی سرگرمیوں پر اپنے اپنے ملک میں پابندی لگانے کی تجویز دی گئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ تمام مسلم حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اس قرارداد پر عمل کریں۔ علاوہ ازیں مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، مولانا محمد مغیرہ، قاری محمد یوسف احرار، اور میاں محمد اویس نے ایک مشترکہ بیان میں ملائشیا میں قادیانی اِرتدادی سرگرمیوں پر مناسب قدغن کا خیر مقدم کرتے ہوئے اِسے بین الاقوامی سطح پر تحریکِ ختم نبوت کی کامیابی اور پیش رفت قرار دیا ہے اور اقوامِ متحدہ سمیت عالمی اداروں سے درخواست کی ہے کہ وہ قادیانیوں کی طرف سے اپنے باطل عقائد کو اسلام قرار دینے سے باز رکھنے کے لیے اقدامات کریں کیونکہ مرزا قادیانی کو ماننے والے قرآن وسنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور پاکستان کی پارلیمنٹ اور دنیا کی متعدد اعلیٰ عدالتیں بھی قادیانیوں کو مسلمانوں کا حصہ تسلیم نہیں کرتیں۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۱۴/ جون) مجلس احرارِ اسلام کے رہنما حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر، حافظ حکیم محمد قاسم اور قاضی عبدالقدیر نے ملائشیا میں سرکاری سطح پر قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر پابندی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اِسے تحریکِ ختم نبوت کی بین الاقوامی سطح پر بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی شہادت عالمی استعماری قوتوں کی سازش ہے۔ (سید عطاء المہیمن بخاری)

لاہور (۱۴؍ جون) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ دہشت گردی، خودکش حملے اور بم دھماکوں کا تسلسل عالمی استعمار کی پالیسیوں کا شاخسانہ ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی شہادت کا سانحہ پوری قوم کا مشترکہ سانحہ ہے دشمن اور اس کے ایجنٹ بلاتفریق مسلک دینی رہنماؤں کو قتل کر کے اپنی مرضی کی افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یہ سب کچھ ملک کو ٹکڑوں میں بانٹنے کی خطرناک سازش کا حصہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے حکمران سچائی کی بجائے جھوٹ کا سہارا لے کر دشمن کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں اور ۱۹۷۰ء سے زیادہ خطرناک حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے مولانا سرفراز نعیمی کے فرزند و جانشین ڈاکٹر راغب حسین نعیمی کو فون کر کے تعزیت کا اظہار کیا اور دعا کی کہ اللہ رب العزت ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے متوسلین کو دین کی سربلندی اور استحکام وطن کے لیے مرحوم کا مشن جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں۔ دریں اثناء مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی نائب امیر پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، قاری محمد یوسف احرار، میاں محمد اویس اور مولانا محمد مغیرہ نے ایک مشترکہ تعزیتی بیان میں کہا ہے کہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی نہایت وضعدار عالم دین اور معتدل رہنما تھے ان کی شہادت سے مشترکہ دینی جدوجہد کرنے والے حلقوں میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مرحوم نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بھی گرانقدر خدمات سرانجام دیں جنھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی شہادت پر تعزیتی اجلاس

چیچہ وطنی (پ ر) ممتاز مذہبی سکالر اور ڈاکٹر سرفراز حسین نعیمی اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت کے اندوہناک حادثے پر دفتر مجلسِ احرارِ اسلام چیچہ وطنی میں ایک تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے احرار کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ امریکہ اور عالمِ کفر علماء کرام اور دینی اداروں کو ختم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے جبکہ حکمران امریکی پالیسیوں کو فالو کر رہے ہیں۔ اجلاس میں ڈاکٹر سرفراز حسین نعیمی کی دینی علوم اور دینی تحریکوں کے لیے گرانقدر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ اجلاس میں قاری محمد قاسم، محمد ارشد چوہان، حافظ حبیب اللہ رشیدی، حافظ حکیم محمد قاسم اور محمد رمضان جلوی نے شرکت کی۔ علاوہ ازیں دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد چیچہ وطنی میں مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے ایصالِ ثواب کے لیے اجتماعی دعائے مغفرت کرائی گئی۔

☆☆☆

- ☆ ابن امیر شریعت، قائد احرار، حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے ۸؍ جون ۲۰۰۹ء کو گکھڑ میں حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی یاد میں منعقدہ جلسہ سے خطاب کیا۔
- ☆ ۹؍ جون کو جامع مسجد سکندر خان لاہور کینٹ میں بعد نماز مغرب درسِ قرآن ارشاد فرمایا۔
- ☆ مجلس احرار اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے ۱۹؍ جون کو مرکز احرار مسجد ابوبکر صدیق تلہ گنگ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔
- ☆ مجلس احرار اسلام کے مبلغ مولانا محمد مغیرہ نے ۲۰؍ جون بعد نماز مغرب النافع ٹرسٹ چوبرجی پارک لاہور میں مسئلہ ختم نبوت پر بیان فرمایا۔
- ☆ سید محمد کفیل بخاری نے ۲۶؍ جون کو کبیر والا (ضلع خانیوال) میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری کی مولانا عزیز احمد بہلوی کی دختر کے نکاح میں شرکت

شجاع آباد (رپورٹ: محمد عبدالرحمٰن جامی نقشبندی) قائد احرار، ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری ۳۰ مئی کو پیر طریقت خواجہ عزیز احمد بہلوی، قاری محمد بلال مکی بہلوی کی دعوت پر مدرسہ عربیہ اشرف العلوم شجاع آباد تشریف لائے۔ اسی روز بعد نماز عشاء خواجہ عزیز احمد بہلوی کی دختر کا نکاح حافظ محمد فرحان اسحاق قریشی سے ہوا۔ اس تقریب سے قائد احرار نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ نکاح کرنا سنتِ نبوی ہے۔ نکاح کی تقریبات میں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر عمل کرنا ضروری ہے۔ رسم ورواج اور خلافِ شریعت کام کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے صریحاً انکار اور گمراہی ہے۔ قائد احرار نے کہا کہ بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق، حق مہر ہے جو شوہر کے ذمہ لازمی ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم تقریباً دو تولے آٹھ ماشہ چاندی ہے اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار نہیں۔ حیثیت کے مطابق جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ کوئی نکاح مہر کے بغیر نہیں ہوتا۔ مہر دینے کی نیت نہ ہو تو نکاح بھی نہیں ہوتا۔ حضرت سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ کے حقوق کی بہت ہی تلقین فرمائی۔ اگر ہمسایہ امیر آدمی ہو، اس کا پڑوسی غریب ہو تو اس کو پڑوسی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی خیرات کرتا ہے پڑوسی کو محروم کر دیتا ہے تو وہ خیرات بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگی۔

اسلام ہی مکمل ضابطۂ حیات اور انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔ (سید عطاء المہیمن بخاری)

جلال پور پیروالا (رپورٹ: محمد عبدالرحمٰن جامی نقشبندی) قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری، مجلس علماء اہل سنت پاکستان کے مرکزی رہنما مولانا یار محمد عابد کی خصوصی دعوت پر مرکزی جامع مسجد تبیح تحصیل احمد پور شرقیہ میں تشریف لائے۔ قائد احرار نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی وسیاسی جماعتوں کی پالیسیوں اور مصلحت بینی سے لادین عناصر کو تقویت پہنچی ہے۔ اسلام ہی مکمل ضابطہ حیات اور انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج ہم تاریخ کے جس نازک موڑ پر کھڑے ہیں اور ہماری سرحدوں کے علاوہ اندرونی محاذوں پر اسلام دشمن عناصر کی ہولناک منصوبہ بندی سے جو صورتحال پیدا ہوگئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم روایتی جذبات واشتعال انگیزی سے ہٹ کر سنجیدہ اور متین طرزِ عمل سے اپنی شیرازہ بندی کریں تاکہ ملک وملت کی بقاوسلامتی اور آنے والی نسلوں کی باوقار آزادی کو یقینی بنایا جاسکے۔

اسلامی مالیاتی نظام 2010ء میں پوری دنیا پر چھا جائے گا: برطانوی ماہر اقتصادیات

ریاض (الاقتصادیہ) برطانوی ماہر اقتصادیات ٹوبی برچ نے کہا ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام ۲۰۱۰ء میں پوری دنیا پر چھا جائے گا۔ اسلامک بینکاری 2015ء تک عالمی مالیاتی نظام پر قبضہ کرلے گی۔ وہ اکنامک پریس کلب کے مہمانوں سے گفتگو کررہے تھے۔ برطانوی ماہر اقتصادیات نے اسلامی مالیاتی نظام کی پرجوش وکالت کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی اقتصادی نظام کو منظم کرنے والے قوانین نے کم از کم دنیا کی چوتھائی دولت کو عالمی مالیاتی بحران کے بھنور میں پھنسنے سے بچالیا۔ اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو دولت سے، دولت کی کلوننگ سے روکتی ہیں۔ انھوں نے اسلامی بینکاری کی خصوصیات اور مالی ذرائع کی تخلیق کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی اقتصادی نظام مبنی برانصاف ہے، تخیل نہیں زمینی حقائق پر مبنی ہے۔ یہ نکمے افراد کی دفتری کاغذی گردش سے آزاد ہے۔ ٹوبی برچ نے لندن یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے۔ انھوں نے اسلامی

اداروں کومشورہ دیا کہ علمی وشرعی تحقیقی عمل کے ذریعے اسلامی مالیات کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی طرف توجہ مرکوز کریں۔

بہترین اسلامی اقتصادی ریسرچ پر ایک لاکھ ریال کا انعام مقرر

جدہ (نیوز ڈیسک) شہزادہ محمد الفیصل نے اعلان کیا ہے کہ اسلامی اقتصادی مسائل کے حل اور علمی شکل میں اسلامی اقتصاد کو اجاگر کرنے والے بہترین مقالے پر ایک لاکھ ریال انعام دیا جائے گا۔ شمس اخبار کے مطابق وہ اسلامی اقتصادی سیمینار سے خطاب کر رہے تھے۔ شہزادہ محمد الفیصل نے بتایا کہ نرخوں کے مسئلے کو اسلامی اقتصاد کے تناظر میں حل کرنے والی ریسرچ پر پہلا انعام دیا جائے۔ (روزنامہ ''اردو نیوز'' جدہ، ۱۱؍جون ۲۰۰۹ء)

عبداللطیف خالد چیمہ کی برطانیہ روانگی

مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ ۲۸؍جون ۲۰۰۹ء اتوار کو برطانیہ کے سفر پر لاہور سے لندن روانہ ہو گئے۔ وہ اِن شاء اللہ تعالیٰ جولائی کے آخری عشرہ میں وطن واپس آئیں گے۔ برطانیہ میں اپنے قیام کے دوران وہ مختلف اجتماعات اور تقریبات میں شرکت، ممتاز برطانوی علماء کرام اور دانشوروں سے موجودہ عالمی صورتحال پر مشاورت کے علاوہ تحریک ختم نبوت کی تازہ ترین صورتحال اور احرار ختمِ نبوت مشن برطانیہ کے کام کا جائزہ لیں گے۔ وہ ۱۹؍جولائی اتوار کو لندن میں ہونے والی ''ختمِ نبوت یوتھ کانفرنس'' میں بھی شریک ہوں گے۔ برطانیہ میں ان سے درج ذیل نمبرز پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

لندن: 0208-5500104

گلاسگو: 0141-5563700,6210582

موبائل: 07943215781

لندن میں ختمِ نبوت یوتھ کانفرنس کا انعقاد

لندن (یکم جولائی) ختمِ نبوت اکیڈمی لندن کے زیرِ اہتمام اِن شاء اللہ تعالیٰ ۱۹؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز اتوار ۲ بجے بعد نمازِ ظہر تا ۶ بجے شام انڈین مسلم فیڈریشن ہال لٹن سٹون لندن میں ''ختمِ نبوت یوتھ کانفرنس'' عالمی مبلغ ختمِ نبوت جناب عبدالرحمٰن باوا کی زیرِ نگرانی منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں مختلف علماء کرام، دینی رہنما اور دانشور خطاب کریں گے۔ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ بھی خصوصی طور پر شریک ہوں گے۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

- حضرت سید یونس الحسنی رحمۃ اللہ علیہ: انتقال: ۱۰؍ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۴؍ جون ۲۰۰۹ء بروز جمعرات (لاہور)
- جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر میاں طفیل محمد مرحوم، انتقال: ۲۵؍ جون ۲۰۰۹ء
- مولانا عطاء الحق قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: مدرسہ سراج العلوم کبیر والا (ضلع خانیوال) کے مہتمم اور حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند، انتقال: ۲۴؍ جون ۲۰۰۹ء، بروز بدھ
- جام حبیب اللہ چوہان مرحوم: مجلس احرار اسلام خانواہ ضلع رحیم یار خان کے کارکن، انتقال: ۱۲؍ جون ۲۰۰۹ء بروز جمعہ۔ جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور محسن احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سچے گرویدہ تھے۔ ● والدہ ماجدہ مرحومہ، حافظ محمد صدیق مظہر، ڈیرہ غازی خان
- جناب قاری محمد ظفر اللہ رحمۃ اللہ علیہ: (مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان کے استاذ) انتقال: ۲۰؍ جون ۲۰۰۹ء
- جناب ڈاکٹر عتبان محمد چوہان کے سسر میجر عبدالشکور مرحوم (بہاول پور) انتقال: یکم جون ۲۰۰۹ء
- بنت مرحومہ، قاری محمد طاہر صاحب (گڑھا موڑ، میلسی) ● بنت مرحومہ، حفیظ اللہ صاحب (گڑھا موڑ، میلسی)
- پھوپھی مرحومہ، مہر مشتاق احمد صاحب (بستی گودڑی، حاصل پور)
- مجلس احرارِ اسلام تلہ گنگ کے قدیم کارکن جناب حاجی رب نواز کی اہلیہ اور جناب احمد کی والدہ مرحومہ، انتقال: ۲۸؍ جون ۲۰۰۹ء
- عبدالرؤف بھٹہ مرحوم: مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن، انتقال: ۲۶؍ جون ۲۰۰۹ء
- مجلس احرار اسلام لاہور کے امیر چودھری محمد اکرام کی بڑی ہمشیر مرحومہ، انتقال: ۲۱؍ جون ۲۰۰۹ء بروز اتوار

قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔ حق تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

دعائے صحت

- بنت امیر شریعت سیدہ اُم کفیل بخاری مدظلہا
- مولانا عبدالخالق چوہان صدر مجلس احرار اسلام بدلی شریف۔ ٹریفک کے ایک حادثہ میں زخمی ہوئے۔ جس سے آپ کی ایک ٹانگ اور ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ تقریباً پندرہ ماہ سے صاحبِ فراش ہیں اور پانچ مرتبہ آپ کی ٹانگ کا آپریشن ہو چکا ہے۔
- اہلیہ محترمہ، جناب حافظ محمد اکرم احرار (میراں پور، میلسی) طویل عرصے سے شدید علیل ہیں۔
- جناب محمد افضل خان (صدر مجلس احرارِ اسلام چیچہ وطنی) ● جناب حکیم محمد رفیق (سابق صدر مجلس احرارِ اسلام چیچہ وطنی)
- محمد عبدالرحمٰن جامی نقشبندی کی دختران اور نواسے شدید علیل ہیں۔

قارئین سے تمام مریضوں کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

Brands Icon Award 2008 given to Rooh Afza

کامیابی کا یہ قصّہ نیا نہیں
پھر بھی اتنا ہی تازہ ...

اوراس سال Brands Icon Award کا اعزاز اس قصے کا ایک تازہ ترین باب ہے
جو کہ پاکستان کے صرف سات منفرد برانڈز کو نوازا گیا ہے۔
ایک ایسے برانڈ کے لئے جس نے سو سال سے اپنے اعلیٰ معیار کو مسلسل برقرار رکھا ہوا ہے
یہ اعزاز جیسے روز کی بات ہو۔ گو کہ ہر بار یہ خبر اتنی ہی تازہ ہوتی ہے جیسے کہ دنیا کا سب سے
بہترین روایتی مشروب ... روح افزا

Brands of the Year Award 2008

Consumers Choice Award 2008

Merit Export Award 2007-2008

Brands of the year Award 2008
WWW.BRANDSAWARD.COM

ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED

Tel: (009221) 6616001-4, E-mail: headoffice@hamdard.com.pk, www.hamdard.com.pk

ختم نبوت کورس
محاضراتِ ختمِ نبوت

یکم تا 11 شعبان 1430ھ

25 جولائی تا 4 اگست 2009ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

زیرسرپرستی

ابنِ امیرِ شریعتؒ حضرت پیرجی امیر مجلس احرارِ اسلام پاکستان
سیدِ عطاءالمہیمن بخاری دامت برکاتہم

عنوانات

1- عقیدۂ ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں
2- حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
3- انکارِ ختم نبوت پر مبنی فتنوں کی تاریخ
4- ردّ قادیانیت پر بحث ومکالمہ کا طریقۂ کار
5- عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت
6- آئین سے متصادم قادیانی سرگرمیاں
7- انکارِ ختم نبوت کی نئی شکلیں
8- احرار اور محاسبۂ قادیانیت
9- تعارف وتاریخ مجلس احرار اسلام
10- اسلام، مغرب اور انسانی حقوق

- دینی مدارس کے درجہ ثالثہ اور اس سے اوپر کے درجات کے طلباء، دیگر تعلیمی اداروں کے کم از کم میٹرک پاس اور اس سے اوپر کے طلباء
- 20 رجب سے 30 رجب تک داخلہ ہوگا۔ سادہ کاغذ پر درخواست مع فوٹوسٹیٹ شناختی کارڈ
- رہائش وخوراک کا انتظام ادارہ کے ذمہ ہوگا۔
- موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔
- سو فیصد حاضری اور بہتر استعداد والے طلباء کو انعام دیئے جائیں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

رابطہ

ملتان	0300- 6326621 061 - 4511961
لاہور	0300- 4240910 042 - 5865465
چیچہ وطنی	0300- 6939453 040 - 5482253
چناب نگر	0301- 3138803 047 - 6211523

تحریک تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

Designed by 0300-6321388